امارت شرعیہ بہار، اڈیشہ و جھارکھنڈ کا ترجمان

ہفتہ وار نقیب

پھلواری شریف پٹنہ

مدیر
مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی

معاون
مولانا رضوان احمد ندوی

جلد نمبر 59/69 شمارہ نمبر 44 مورخہ ۲۰ ربیع الاول ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۸ نومبر ۲۰۱۹ء روز سوموار

اس شمارہ میں

■ اللہ کی باتیں، رسول اللہ کی باتیں
■ دینی مسائل
■ حضرت قاری مشتاق احمد صاحبؒ
■ تصوف کا ایک اجمالی جائزہ
■ مولانا ابوالکلام آزاد اور ان کی......
■ ہندوستان اقتصادی بحران کا شکار
■ بابری مسجد تاریخ کے مختلف مراحل میں
■ ہفتہ رفتہ، طب وصحت، ملی سرگرمیاں

مولانا ابوالکلام آزاد کے قومی اتحاد کے پیغام کو عام کرنیکی ضرورت: امارت شرعیہ

مولانا آزاد کی یوم ولادت کے موقع سے امارت شرعیہ میں عظیم الشان کانفرنس کا انعقاد

رپورٹ مولانا رضوان احمد ندوی

امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ کے زیر اہتمام امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کی یوم ولادت کی مناسبت سے ان کی یوم ولادت ۱۱ر نومبر کو مولانا آزاد کی ہمہ جہت دینی و علمی شخصیت، فکر وفن، خدمات اور کارناموں کو نئی نسل تک منتقل کرنے کے لیے مفکر اسلام حضرت مولانا محمد ولی رحمانی صاحب دامت برکاتہم امیر شریعت بہار، اڈیشہ وجھارکھنڈ کی ہدایت پر امارت شرعیہ کے کانفرنس ہال میں ایک بڑا نمائندہ اجتماع ہوا، جس میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے سکریٹری مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے شرکت کی، انہوں نے فرمایا کہ مولانا آزاد مختلف قوموں کے درمیان اتحاد اور قومی یکجہتی کو فروغ دینے کے لیے متحدہ قومیت کا پیغام دیا، جس کو انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی سے مستفاد کرتے ہوئے کہا کہ مدینے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں کے مختلف قبائل کے درمیان اتحاد اور مسلمانوں کے درمیان آپس میں اتحاد کے ذریعہ وہاں کے باشندوں کو ایک دھاگے میں پرویا جس کی مثال میثاق مدینہ اور مواخاۃ کی صورت میں ہمارے سامنے ہے، مولانا آزاد نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ کے اس طرز عمل اور اتحاد امت واتحاد ملت کے پیغام کو گذشتہ صدی میں جس مضبوطی کے ساتھ عام کیا ضرورت ہے کہ آج بھی آپ کے اس اتحاد قومیت کے تصور کو عام کیا جائے اور برادران وطن کے درمیان جو فاصلے ہیں انہیں کم کیا جائے۔ انہوں نے مفکر اسلام حضرت امیر شریعت مدظلہ کی تحریر کردہ کتاب ''امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد؛ کئی دماغوں کا ایک انساں'' کا اجراء کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت امیر شریعت کی زبان بہت شیریں، سلیس اور جاذب ہوتی ہے، ان کے ادبی ذوق اور سخنوارانہ مہارت سے سارے ادباء متاثر ہیں، مولانا نے فرمایا کہ اس وقت یہاں کے باشندے جس نازک دور سے گذر رہے ہیں، ضرورت ہے کہ مولانا آزاد کے افکار و نظریات کو عام کیا جائے۔

صدارتی خطاب کرتے ہوئے قائم مقام ناظم امارت شرعیہ مولانا شبلی القاسمی صاحب نے کہا کہ مولانا نے جن نازک حالات میں ملت کی عملی رہنمائی کی، آج بھی امت انہیں حالات سے دوچار ہے، ضرورت ہے کہ مولانا نے مذہبی اور سیاسی میدان میں ملت کی جس طرح رہنمائی کی ہے، اس کو مشعل راہ بنایا جائے۔ مولانا آزاد نے ملت کی تعلیمی ترقی کے لیے بھی مختلف جہت سے منصوبے بنائے، ان منصوبوں کو بھی بروئے کار لانے کی ضرورت ہے، اسی ضرورت کے پیش نظر مفکر اسلام حضرت امیر شریعت مولانا سید محمد ولی رحمانی صاحب نے مولانا ابوالکلام آزاد کی مذہبی بصیرت اور سیاسی شعور کو قوت بخشنے کے لیے یہ اجتماع طلب کیا، تاکہ نئی نسل ان کے افکار ونظریات کو چراغ راہ بنائے۔ مولانا موصوف نے کہا کہ ربیع الاول کے اس مبارک مہینے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ کو عام کرنے کی تحریک بھی چلائی جارہی ہے اور اس کے بڑے اچھے نتائج سامنے آرہے ہیں اور لوگوں میں بیداری آئی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کی خدمت کو عبادت قرار دیا، انہیں بنیادوں پر یہاں مولانا سجاد اسپتال قائم ہے، عصری تعلیم کے میدان میں ٹیکنیکل کے ادارے قائم کررہے ہیں، جہاں سے ہر مذہب کے لوگ استفادہ کرتے ہیں، مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی تعلیم کو فروغ دینے کے لیے ہمہ جہت منصوبے بنائے، ہم ان منصوبوں کو زمین پر اتارنے کی جدوجہد کررہے ہیں۔ مولانا موصوف نے پورے ملک میں محبت، بھائی، ایک دوسرے کو قریب لانے، آپسی اتحاد، غلط فہمیوں کو دور کرنے، پورے ملک کے باشندوں کو ایک دھاگے میں پرونے پر زور دیا اور مولانا آزاد کے نظریہ قومیت کو عام کرنے کا پیغام دیا اور کہا کہ مولانا آزاد نے مسلمانوں میں مذہبی شعور کے ساتھ سیاسی شعور، بیدار کرنے کی مخلصانہ کوشش فرمائی ان کا نظریہ تھا کہ مذہب کو سیاست اور سیاست سے مذہب کو الگ کرکے ہرگز کامیابی حاصل نہیں کی جاسکتی، اس وقت مولانا کی ان فکروں کی قدر بعض لوگوں نے نہیں کی، جس کا افسوس آج پوری ملت کو ہے، ہمیں عہد کرنا چاہئے کہ ہم اپنی قیادت پر مکمل اعتماد کرکے زندگی گذاریں گے الحمدللہ اس وقت ہماری قیادت مفکر اسلام حضرت مولانا محمد ولی رحمانی صاحب پوری فراست، بصیرت اور عزم وحوصلہ کے ساتھ فرمارہے ہیں، ان کی فکر بھی مولانا آزاد کی فکر سے ہم آہنگ ہے۔ جناب الحاج حسن احمد قادری صاحب ناظم اعلیٰ جمعیۃ علمائے بہار نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تاریخ کے ہر دور میں ایسے باکمال لوگوں کو پیدا کیا جنہوں نے ملت کی صحیح سمت میں رہنمائی، انہیں باکمال شخصیتوں میں مولانا ابوالکلام آزاد کی بھی شخصیت تھی۔ انہوں نے مسلمانوں کی تحریک آزادی میں قربانیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ اس نہج پر کتابیں مرتب کی جائیں اور ان کو نصاب میں شامل کیا جائے۔ مولانا رضوان احمد اصلاحی امیر حلقہ بہار جماعت اسلامی ہند نے کہا کہ ملک کے موجودہ حالات میں مولانا آزاد کے افکار ونظریات اور فکر وفہم کو عام کرنے کی ضرورت ہے تاکہ یہ ملت مایوسی کے خوف سے باہر نکل سکے۔ مولانا عتیق الرحمٰن صاحب سابق ڈائرکٹر خدابخش خان لائبریری نے مولانا آزاد کے ایک خط کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ قیام امارت شرعیہ کے بارے میں انکی فکرمندی اور دردمندی ظاہر ہوتی ہے کہ وہ مولانا سجاد صاحب سے کس قدر متاثر تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہندوستانی مسلمانوں کو مولانا محمد علی جوہر اور مولانا ابوالکلام آزاد کی شخصیت کو یاد رکھنا چاہئے کہ انہوں نے محبت اور اخوت کو فروغ دیا اور نفرت اور عداوت کی دیوار کو ہر جہت سے مٹانے کی کوشش کی۔ شیعہ مذہبی رہنما جناب مولانا امانت حسین مدرسہ سلیمانیہ پٹنہ سٹی نے مولانا آزاد کے تعلیمی مشن کو آگے بڑھانے پر زور دیا، اوکہا کہ امارت شرعیہ یہ کام اچھی طرح کررہی ہے۔ جناب پروفیسر یونس حکیم چیرمین مائنورٹی کمیشن نے قرآن پاک کی تلاوت اور سیرت نبوی ﷺ کے مطالعہ پر زور دیا اور کہا کہ اسی سے ترقی کے دروازے کھل سکتے ہیں، مولانا ابوالکلام شمسی صاحب سابق پرنسپل مدرسہ شمس الہدیٰ نے مولانا آزاد کے تعلیمی نظریہ پر تفصیل سے روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ انہوں نے سائنس وٹکنالوجی کو فروغ دینے کے لیے بڑی جدوجہد کی اور اپنی وزارت تعلیم کی مدت کار میں انہوں نے مختلف تعلیمی اور ثقافتی اداروں کی بنیاد ڈالی جو آج ہندوستانی تعلیمی اداروں کی سرخیل ہیں۔ مثلا یو جی سی، آئی آئی ٹی، آئی آئی ایم، للت کلا اکیڈمی، سنگیت ناٹک اکیڈمی، ساہتیہ اکیڈمی وغیرہ۔

مولانا مشہود احمد قادری ندوی پرنسپل شمس الہدیٰ مدرسہ پٹنہ مولانا آزاد نے خلافت کی جو تحریک چلائی تھی، پھلواری شریف کے بہت سے اکابر علماء اور صوفیاء اس تحریک میں ان کے شانہ بشانہ تھے، انہوں نے امیر شریعت اول شاہ بدرالدین قادری کے ایک فرمان کو پڑھ کر سنایا جس میں مسلمانوں کے لیے مختلف ہدایات درج تھیں، اس تحریر کو مولانا آزاد نے اپنے اخبار میں شائع کیا تھا، جس سے ان کی امارت شرعیہ کے ساتھ گہری وابستگی کا پتہ چلتا ہے۔ قاری شبیر احمد صاحب مہتمم مدرسہ اسلامیہ شکرپور بھروارہ نے کہا کہ اللہ نے انسانوں کو جتنی نعمتیں عطا کی ہیں، ان میں علم وآگہی اور فہم وفراست سب سے بڑی نعمتوں میں شمار ہوتی ہیں، مولانا آزاد کو اللہ نے ان تمام نعمتوں سے بے انتہا متصف اور سرفراز کیا تھا۔ ہر میدان میں آپ ممتاز تھے۔

جناب ارشاد اللہ صاحب چیرمین سنی وقف بورڈ، بہار نے کہا کہ مولانا آزاد امیر کارواں تھے، انہوں نے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں لیکن نہ ان کا قلم رکا نہ ان کی زبان رکی۔ اور نہ کسی مرحلہ میں انہوں نے قدم پیچھے ہٹائے یہ ان کی کامیاب قیادت کی علامت ہے، مولانا خورشید عالم مدنی نے مولانا آزاد کی ہمہ جہت شخصیت پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ وہ متبحر عالم دین بھی تھی اور جرأت مند قائد بھی، ان کی شخصیت کا ہر پہلو روشن اور تابناک ہے، پروفیسر محمود نہسوی نے کہا کہ مولانا ہندو مسلمان اتحاد کے بڑے علم بردار تھے، انہوں نے خوف کی نفسیات سے نکلنے کا پیغام دیا۔ جناب شہنواز احمد خان صاحب رٹائرڈ لیبر کمشنر ہزاری باغ نے کہا کہ مولانا کی تعلیمی اور ملی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے، ان کو پڑھے بغیر اچھے مستقبل کی امید نہیں کی جاسکتی، انہوں نے رانچی میں انجمن اسلامیہ اور مدرسہ اسلامیہ اپر بازار رانچی کے قیام کے پس منظر اور اغراض ومقاصد پر بھی روشنی ڈالی۔ جناب عظیم الدین انصاری ویشالی نے اردو کے تئیں مولانا آزاد کے نظریات کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ بہار میں اردو نہ صرف دوسری سرکاری زبان ہے بلکہ یہ ہم سب کی مادری زبان بھی ہے، ہم سب کو اس کے فروغ کے لیے بھرپور جدوجہد کرنی چاہئے۔ (بقیہ صفحہ ۱۰ رپر)

اللہ کی باتیں ---- رسول اللہ کی باتیں

مولانا رضوان احمد ندوی

کتاب ہدایت کو نظر انداز نہ کیجئے

پیغمبر کہیں گے کہ اے میرے رب! میری قوم نے اس قرآن کو بالکل نظر انداز کر دیا تھا۔(الفرقان: ۳۰)

وضاحت: قرآن مجید رب کائنات کا وہ سدابہار، دائمی، عالمی اور انقلابی پیغام حیات ہے جو کتاب ہدایت بھی ہے اور کتاب زندگی بھی، جس کی دنیا نے مشاہدہ کر لیا کہ اس نے نوع انسانی کے افکار ونظریات، اخلاق تہذیب اور طرز زندگی پر اتنی وسعت، اتنی گہرائی اور اتنی ہمہ گیری کے ساتھ اثر ڈالا جس کی کوئی نظیر نہیں ملتی، اس کی تاثیر نے ایک قوم کو بدلا، پھر اس قوم نے اٹھ کر دنیا کے ایک بڑے حصے کو بدل ڈالا عمل کی دنیا میں اس کے ایک ایک لفظ نے خیالات کی تشکیل اور مستقل تہذیب کی تعمیر کی، دنیا کے تمام دستور اور قوانین میں کچھ نہ کچھ جھول اور خامیاں پائی جاتی ہیں، اس لئے وہ وقت اور حالات کے مطابق بدلتے رہتے ہیں، لیکن قرآن کریم یہ وہ دستور کی کتاب ہے جس میں شمہ برابر کوئی کمزوری نہیں، موجودہ سائنسی دور میں دنیا کے مذاہب اور ان کے رہنماؤں نے اپنے نظریات بدل دیئے، فلسفہ کی تھیوری موسم اور حالات کے تناظر میں ادلتی بدلتی رہی لیکن قرآن کریم میں ادنیٰ درجہ کا فرق نہیں آیا، بلکہ اس نے انسانی زندگی میں جو اخلاقی، روحانی، سیاسی اور تمدنی انقلاب برپا کیا تاریخ عالم میں اس کی کوئی نظیر ومثال نہیں ملتی اور یہی اس کے نزول کا بنیادی مقصد ہے، اس لئے جو لوگ اس کے معانی ومطالب پر غور وفکر کرتے ہیں وہ اس راز کو سمجھتے ہیں، معلوم ہوا کہ قرآن مجید کا پڑھنا، سمجھنا اور پھیلانا سب موجب سعادت اور باعث برکت ہے، مگر ستم ظریفی کہئے کہ اس امت کا قرآن مجید سے رشتہ کمزور پڑتا جا رہا ہے، نہ ہی ہم اس کی تلاوت کی پابندی کرتے ہیں اور نہ ہی اس سے پورے طور پر مکمل استفادہ کرتے ہیں، ہمارے گھر، تعلیمی ادارے، معاشرہ اور تہذیب وثقافت میں غیر اسلامی عناصر اس طرح داخل ہوتے جا رہے ہیں کہ ایسا لگتا ہے کہ دین کی روح اور اس کی شعاع مدھم پڑتی جا رہی ہے، جب مسلمان خود اپنے مسائل کا حل قرآن میں تلاش نہ کریں اور اس کو عملی نمونہ نہ بنائیں تو غیروں سے شکوہ کرنے سے کوئی فائدہ نہیں، اس لئے جب قیامت قائم ہوگی اور حساب وکتاب کے لئے اللہ کی طرف سے عدالت لگے گی تو ہمارے پیارے نبیؐ فرمائیں گے کہ اے میرے رب میری قوم نے قرآن چھوڑ دیا تھا وہ قرآن کو عقیدہ مانتے تھے، مگر عملی زندگی میں اس کو نافذ نہیں کیا۔

علامہ شبیر احمد عثمانی نے اپنی تفسیر قرآن میں اس آیت کے ذیل میں لکھا کہ: آیت میں اگرچہ مذکور صرف کافروں کا ہے، تاہم قرآن مجید کی تصدیق نہ کرنا، اس میں تدبر نہ کرنا اس کی تلاوت نہ کرنا، اس کی تصحیح قرأت کی طرف توجہ نہ کرنا، اس سے اعراض کر کے دوسری لغویات یا حقیر چیزوں کی طرف متوجہ ہونا، یہ سب صورتیں درجہ بدرجہ ہجران قرآن کے تحت داخل ہو سکتی ہیں، اور یہی قرآن کے نزول کا مقصد ودعوت ہے، اور اسی مین ہماری کامیابی کا راز مضمر ہے، اس لئے ہر مسلمان قرآن کریم کی تلاوت کا معمول بنائے۔ اور اس کے معانی ومفاہیم پر غور وفکر کرنے کی عادت ڈالے۔

چھوٹے چھوٹے گناہوں کو بھی معمولی نہ سمجھئے

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم چھوٹے چھوٹے گناہوں سے پرہیز کرو، کیونکہ اسکی مثال ایسی ہے کہ ایک جماعت جنگل میں گئی اور ہر ایک ان میں کا ایک ایک لکڑی لا کر جمع کرتا رہا اور پھر اسے روشن کر دیا اور اس پر پکایا، کھایا۔(الحدیث)

مطلب: معصیت وگناہ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، اللہ کی نافرمانی کرنے والا سخت عذاب میں مبتلا ہوگا، جب تک کہ وہ اپنے گناہوں پر ندامت وشرمندگی کے آنسو نہ بہالے، اور توبہ واستغفار کر کے معافی تلافی نہ کرے، کیونکہ انسان جب گناہوں پر اصرار کرتا اور اپنی اصلاح کی فکر نہیں کرتا تو وہ مختلف طرح کے مسائل ومشکلات میں گھر جاتا ہے، اس کو دنیا میں بھی سزائیں ملنے لگتی ہیں جس سے وہ کرب وبے چینی کی زندگی گذارنے لگتا ہے ایک حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں بادشاہوں کا مالک ہوں، بادشاہوں کے دل میرے ہاتھ میں ہے، جب بندے میری اطاعت کرتے ہیں تو میں ان کے لئے دلوں کو ان پر رحمت اور شفقت کے ساتھ پھیر دیتا ہوں اور جب بندے میری نافرمانی کرتے ہیں تو ان بادشاہوں کے دلوں کو غضب اور عقوبت کے ساتھ پھیر دیتا ہوں، پھر وہ ان کو سخت عذاب کی تکلیف دیتے ہیں، ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ جو کوئی ناپ تول میں کمی کرتا ہے تو وہ قحط اور تنگی میں مبتلا ہو جاتا ہے، پھر ایسا بھی ہوتا ہے کہ گنہگار آدمی عام طور پر گناہ ہی کی حالت میں مرتا ہے چور اور ڈاکو ڈاکہ ڈالتے ہوئے پولیس کے ہاتھوں مارا جاتا ہے اس پر لوگ طعنے بھی دیتے ہیں اور ادھر وہ اللہ کے یہاں مجرم کی حیثیت سے پہونچتا ہے جبکہ نیکوکار عام طور پر نیکی کی حالت میں مرتا ہے آپ نے بہت سے نیک لوگوں کے بارے میں سنا ہوگا کہ وہ تہجد واشراق کی نماز پڑھتے ہوئے یا قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے اللہ سے جا ملے، یہی ہے نیکی اور بدی میں فرق۔ اس لئے گناہوں کو معمولی نہ سمجھئے چھوٹے چھوٹے گناہ بھی جمع ہوتے ہوتے کبیرہ ہو جاتے ہیں، جو کہ انسان کی ہلاکت وبربادی کا ذریعہ بن جاتے ہیں، اس لئے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ لا کبیرۃ مع استغفار ولا صغیرۃ مع اصرار کوئی گناہ کبیرہ، کبیرہ نہیں ہے، اور اگر انسان نادم ہو کر اس سے استغفار کر لے اور کوئی گناہ صغیرہ، صغیرہ نہیں ہے، اگر آدمی اس پر اصرار کرے جس کو اللہ کے رسولؐ نے مثال سے سمجھایا کہ انسان گناہ کرتا گیا اور اس پر اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کرتا رہا یہاں تک کہ وہ رحمت خداوندی سے دور جا پڑا، اس لئے دل کو گندے خیالات سے بھی پاک رکھے، عمل وکردار، رفتار وگفتار اور فکر وخیال کو قرآنی تعلیمات اور ارشادات نبوی سے روشن ومنور رکھے، اور ہر طرح کے برے کاموں سے محفوظ رہنے کی کوشش کیجئے۔

دینی مسائل

مفتی احتکام الحق قاسمی

اذان کا جواب کیا عورتیں بھی دیں گی:

اذان کے جواب کی شرعی حیثیت کیا ہے، صرف مردوں کے ذمہ ہی اذان کا جواب دینا ہے، یا عورتوں پر بھی ہے، اذان کے جواب میں کیا کہا جائے گا اور اس کی فضیلت کیا ہے، حدیث کے حوالہ سے جواب دیں؟

الجواب ــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

زبان سے اذان کا جواب دینا ہر مرد اور عورت پر جبکہ وہ حیض ونفاس سے پاک ہو، مستحب ہے۔ **إن الإجابة باللسان مستحبة.** (ردالمحتار: ۲۶۷/۱) **ویجیب ... (من سمع الأذان) لو جنبا لا حائضا ونفساء.** (الدر المختار علی هامش ردالمحتار: ۲۶۵/۱، باب الأذان)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم اذان سنو تو جو موذن کہے، وہی تم بھی کہو، یعنی اللہ اکبر اللہ اکبر کے جواب میں اللہ اکبر اللہ اکبر، اشہد ان لا الہ الا اللہ کے جواب میں اشہد ان لا الہ الا اللہ، اشہد ان محمدا رسول اللہ کے جواب میں اشہد ان محمدا رسول اللہ، البتہ حی علی الصلوٰۃ کے جواب میں لاحول ولاقوۃ الا باللہ، اسی طرح حی علی الفلاح کے جواب میں لاحول ولاقوۃ الا باللہ کہو، پھر جب وہ اللہ اکبر اللہ اکبر کہے تو تم اللہ اکبر اللہ اکبر کہو اور جب لا الہ الا اللہ کہے تو تم لا الہ الا اللہ کہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے صدق دل سے ان کلمات کو کہا وہ جنت میں داخل ہوگا۔(صحیح مسلم: ۱/۱۶۷، باب فضل الاذان)

اذان کے بعد کی مسنون دعا:

اذان کے بعد مسنون دعا کون سی ہے، اس کی فضیلت کیا ہے، یہ دعا بھی صرف مردوں کو ہی پڑھنا چاہئے، یا عورتوں کو بھی، بہت سارے لوگ "**والدرجة الرفیعة وارزقنا شفاعته یوم القیامة إنک لا تخلف المیعاد یا أرحم الراحمین**" کا اضافہ کرتے ہیں، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے، پڑھنا چاہئے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

حدیث کی مستند ومعتبر کتابوں میں اذان کے بعد کی جو دعا منقول ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں: **اللّٰھم رب هذه الدعوة التامة والصلوٰة القائمة اٰت محمدن الوسیلة والفضیلة وابعثه مقاما محمودا الذی وعدته.** (صحیح البخاری: ۸۶/۱، باب الدعاء عند النداء)

علامہ بیہقی نے الذی وعدتہ کے بعد **إنک لا تخلف المیعاد** کا اضافہ کیا ہے، اس کے علاوہ الفاظ کا ثبوت حدیث کی کتابوں میں نہیں ہے۔ **قال ابن الحجر فی شرح المنهاج: وزیادة والدرجة الرفیعة وختمه بـ "یا أرحم الراحمین" لا أصل لهما.** (ردالمحتار: ۲۶۷/۱)

لہذا صورت مسئولہ میں بہتر یہی ہے کہ جن الفاظ کے ساتھ دعا حدیث سے ثابت ہے، اسی کو پڑھا جائے جو الفاظ ثابت نہیں ہیں، ان کو نہ پڑھا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اذان کے بعد (مذکورہ) دعا پڑھی، وہ میری شفاعت کا حقدار ہو گیا، **حلت له شفاعتی.** (صحیح البخاری: ۱/۸۶) اور ظاہر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے محتاج جس طرح مرد حضرات ہیں، اسی طرح خواتین بھی ہیں، نیز جب اذان کا جواب دینا عورتوں کے لیے بھی مستحب ہے تو اذان کے بعد کی دعا کا پڑھنا بھی ان کے لیے مستحب ہوگا، لہذا عورتوں کو بھی چاہئے کہ اذان کا جواب دینے کے بعد درود شریف پڑھیں، پھر اذان کے بعد کی مذکورہ دعا پڑھیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بیک وقت متعدد اذان ہو تو کس کا جواب دے:

بیک وقت متعدد مسجدوں سے اذان کی آواز آئے تو کیا سب کا جواب دینا ہوگا یا کسی ایک کا جواب دے دینا کافی ہوگا؟

الجواب ــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اگر متعدد مسجدوں میں یکے بعد دیگرے اذان ہو رہی ہو اور سب کا جواب دینے میں کوئی تکلف نہ ہو تو بہتر یہ ہے کہ سبھی اذانوں کا جواب دے، ورنہ جو اذان پہلے ہو، اس کا جواب دیدے، خواہ وہ قریب کی مسجد کی اذان ہو یا دور کی مسجد کی اور اگر کئی مسجدوں میں بیک وقت اذان ہو رہی ہو تو قریب کی مسجد کی نیت سے اذان کا جواب دے۔
والذی ینبغی إجابة الأول سواء کان مؤذن مسجده أو غیره فإن سمعهم معا أجاب معتبرا کون إجابته لمؤذن مسجده. (ردالمحتار، باب الأذان، قبیل باب شروط الصلوٰة: ۲۶۸/۱)

دوران تلاوت اگر اذان ہو تو کیا کرے:

تلاوت قرآن کے دوران اگر اذان شروع ہو جائے تو کیا تلاوت موقوف کر کے اذان کا جواب دے یا تلاوت جاری رکھے، افضل وبہتر کیا ہے؟ کیا مسجد میں تلاوت کرنے یا گھر میں تلاوت کرنے میں کوئی فرق ہے؟

الجواب ــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اذان کا جواب دینا مستحب ہے، اگر کوئی شخص جواب دے گا تو ثواب پائے گا، ورنہ کوئی گناہ نہ ہوگا، قرآن کریم کی تلاوت خواہ مسجد میں ہو یا مسجد کے باہر، اگر دوران تلاوت اذان شروع ہو جائے تو بہتر یہ ہے کہ تلاوت روک کر پہلے اذان کا جواب دے، پھر تلاوت شروع کرے؛ کیوں کہ تلاوت کبھی بھی کر سکتے ہیں؛ لیکن اذان کا جواب ہمہ وقت نہیں دے سکتے۔ **(وإذا سمع المسنون منه) أی الأذان... (أمسک) عن التلاوة لیجیب المؤذن ولو فی المسجد وهو أفضل.** (مراقی الفلاح علی هامش الطحطاوی: ۱۰۹) **فقط واللّٰہ تعالیٰ أعلم**

امارت شرعیہ بہار اڑیسہ وجھارکھنڈ کا ترجمان

نقیب

ہفتہ وار پھلواری شریف پٹنہ

پھلواری شریف

جلد نمبر 59/69 شمارہ نمبر 44 مورخہ ۲۰/ربیع الاول ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۸/نومبر ۲۰۱۹ء روز سوموار

عقیدت پرمبنی فیصلہ

۹/نومبر ۲۰۱۹ء کو سنائے گئے فیصلے کے مطابق بابری مسجد کی زمین سپریم کورٹ نے رام مندر تعمیر کے لیے دے دیا، اور مسلمانوں کو مسجد کے لیے پانچ ایکڑ زمین الگ سے دینے کی بات کہی ہے، اس فیصلے سے مسلمانوں کو سخت تکلیف پہونچی ہے، لیکن عدالت عظمیٰ کے وقار کی حفاظت کے نقطۂ نظر سے اسے قبول کرلیا گیا، مسلم قائدین اور رہنماؤں نے اس فیصلے پر بے اطمینانی کا اظہار کیا ہے، البتہ یہ بھی واضح کردیا ہے کہ ہم اس فیصلے کا احترام کرتے ہیں۔

بابری مسجد سے متعلق یہ فیصلہ سپریم کورٹ کی اعلیٰ سطحی پانچ نفری بنچ نے سنائی، جس کی قیادت چیف جسٹس رنجن گگوئی کررہے تھے، اس بنچ کے دوسرے چار ارکان جسٹس شرد اروند، جسٹس اشوک بھوشن، جسٹس ڈی وائی چندر چوڑ اور جسٹس عبد النظیر تھے، فیصلہ متفقہ ہوا، اور انصاف کے اس قتل اور امید و توقعات کی موت پر سب یک زبان نظر آئے، اس فیصلہ تک پہونچنے میں سنی وقف بورڈ کے مشکوک اور مشتبہ کردار کا بھی بڑا عمل دخل رہا۔

عدالت نے اپنے فیصلہ میں اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ ۱۹۴۹ء میں مسجد میں مورتی رکھنا اور ۶/دسمبر ۱۹۹۲ء کو منہدم کرنا دونوں کام غیر قانونی تھا، اس غیر قانونی اقدام کرنے والے کو کیا سزا ملنی چاہیے، اس پر عدالت خاموش ہے اور خاموشی کی وجہ شاید مجرمین کا اعلیٰ عہدوں پر فائز ہونا اور حکومت میں ان کا غیر معمولی اثر ورسوخ ہے، ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اس سلسلے کا ایک دوسرا مقدمہ عدالت میں زیر غور ہے اور شاید عدالت نے اس میں دخل اندازی مناسب نہ سمجھی ہو؛ حالاں کہ کم از کم اتنی رولنگ تو عدالت دے ہی سکتی تھی کہ اس مقدمہ پر بھی روزانہ سماعت کرکے جلد ہی فیصلہ ہوگا، لیکن فیصلہ میں ایسا کچھ نہیں کہا گیا، عدالت نے اپنے فیصلہ کی بنیاد غیر قانونی کام کو بنایا، اگر وہاں مورتی نہیں رکھی جاتی اور بابری مسجد کو منہدم نہیں کیا جاتا اور وہ اپنی زمین پر برقرار ہوتی تو کیا اس وقت بھی عدالت یہی فیصلہ کرتی، شاید نہیں، اس لیے اگر یہ دونوں اقدام غیر قانونی تھے تو قانونی طور پر اس کا مداوا یہ تھا کہ وہ زمین مسلمانوں کو دی جاتی اور بابری مسجد دوبارہ وہاں تعمیر ہوتی، انصاف تو یہی کہتا ہے، لیکن قلم جن کے ہاتھ میں تھا وہ حقائق سے زیادہ عقیدت کے قائل تھے، خود ان کا دین و مذہب بھی وہی تھا، ایک جسٹس عبد النظیر تھے، سو انہوں نے تین طلاق والے مقدمہ میں اپنے اختلاف کا نتیجہ دیکھا تھا، اس لیے اس کے خلاف وہ نہ جاسکے، فیصلہ کے چند دن بعد ہی رنجن گگوئی کا ایک مندر میں شاندار استقبال کیا گیا اور انہوں نے ہندو رسم ورواج کے مطابق وہاں پوجا ارچنا بھی کی۔

عدالت نے یہ تسلیم کیا کہ مسجد کی تعمیر مندر توڑ کر نہیں کی گئی تھی، البتہ آثار قدیمہ کی جانب سے کھدائی میں کچھ باقیات دستیاب ہوئے ہیں، جن کے بارے میں یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ وہ مندر ہی کے ہیں، صحیح بات یہ ہے کہ زمین کے جس حصہ کی بھی کھدائی ہوگی، کچھ نہ کچھ چیزیں نکل ہی آئیں گی، ظاہر ہے ان چیزوں پر فیصلے کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی۔

عدالت نے مسلمانوں کو مطمئن کرنے کے لئے پانچ ایکڑ الگ جگہ پر زمین دینے کا فیصلہ دستور کی دفعہ ۱۴۲/کے سہارے دیا ہے، اس دفعہ کے تحت عدالت کو خصوصی اختیارات حاصل ہیں، اور اگر عدالت یہ سمجھتی ہے کہ انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے دعویٰ سے ہٹ کر کوئی کام ضروری ہے تو عدالت اس کے بارے میں واضح ہدایت دے گی، عدالت نے پانچ ایکڑ زمین دینے کا فیصلہ یہ سوچ کر کیا ہے کہ مسلمان اس مسجد میں نماز پڑھتے رہے ہیں اور وہ کبھی بھی اس مسجد سے دست بردار نہیں ہوئے، یہ شوشہ عدالت نے چھوڑ کر مسلم سماج کو دو طبقے میں بانٹ دیا ہے، ایک بڑا طبقہ یہ کہہ رہا ہے کہ ہمیں عدالت کی اس پیشکش کو رد کردینا چاہیے، جو زمین چار سو سال سے ہماری تھی، جب وہ دوسرے کے حوالہ کردی گئی تو مسلمانوں کو اس خیرات کو وصول نہیں کرنا چاہیے، کیوں کہ عدالتی فیصلے کا صرف یہی جز لوگوں کو یاد رہے گا کہ بابری مسجد کی زمین رام للا کو حوالہ کرنے کے بدلے مسلمانوں کو یہ زمین دی گئی تھی، حالاں کہ ہمارا موقف تو یہ ہے کہ مسجد کی جگہ قیامت تک مسجد رہے گی، خواہ عمارت ڈھا کیوں نہ دی گئی ہو، ایسے میں اس زمین کو قبول کرنے کا مطلب اپنے اس موقف سے ہٹ جانا ہے اور دوسرے مذاہب کے لوگوں میں یہ پیغام جائے گا کہ بدلہ میں مسجد کی زمین الگ لی جاسکتی ہے۔

دوسرا طبقہ جس کی تعداد نسبتاً کم ہے، چاہتا ہے کہ عدالت کے فیصلہ کے اس جز کو مان کر زمین لے لینی چاہیے، ہم اس پر مسجد کے ساتھ تعلیمی ادارہ قائم کریں گے، یہ موقف انتہائی کمزور ہے، لیکن یہ طبقہ بعجلت تمام متحرک ہوگیا ہے اور خبر ہے کہ اسے عملی جامہ پہنانے کے لیے ایک گروپ یوگی دربار میں جا پہونچا اور اس نے زمین کے بارے میں یوپی حکومت سے گفت وشنید کی، ہمارے یہاں فقہ کی اصطلاح میں ایک لفظ فضولی آتا ہے جس کا تعلق معاملہ سے تو نہیں ہوتا بس وہ یونہی کود پڑتا ہے، حالاں کہ وہ نہ تین میں ہوتا ہے نہ تیرہ میں، دوسرے طبقہ کا حال بھی کچھ ایسا ہی ہے، سنی وقف بورڈ نے اس موضوع پر تبادلہ خیال کے لیے ۲۶/نومبر ۲۰۱۹ء کو میٹنگ بلائی ہے، جبکہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی میٹنگ ۱۷/نومبر کو ہونی ہے، اصل فیصلہ وہیں سے ہوگا اور توقع ہے کہ اکابر علماء اور دانشوران اس سلسلہ میں جو فیصلہ لیں گے، سب کے لیے قابل قبول ہوگا۔

ایک مرحلہ فیصلہ پر نظر ثانی کا بھی ہے، اس کیلئے عدالت عظمیٰ نے دونوں فریق کو ۳۰/دن کا وقت دیا ہے، رام للا والے نظر ثانی کی درخواست کیوں دیں گے، ان کی تو منہ مانگی مراد پوری ہوگئی، رہ گیے مسلمان؛ تو اس بارے میں بھی فیصلہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کو لینا ہے، حالاں کہ اس مقدمہ کے اصل فریق سنی وقف بورڈ نے واضح کردیا ہے کہ ہم نظر ثانی کی عرضی نہیں ڈالیں گے، رہ گئی جمعیت علماء اور چھ دوسرے عرضی گذار، ان کے لیے فیصلہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا ہی قابل قبول ہونا چاہیے کیوں کہ نام کے مدعی تو یہی لوگ تھے، لیکن مقدمہ جمعیت علماء کو چھوڑ کر سب کا آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے ہی لڑا تھا اور انتہائی مضبوطی سے لڑا تھا، فیصلہ توقع کے برعکس آیا یہ ایک الگ بات ہے، لیکن مقدمہ کو لڑنے، نامور اور مضبوط وکلاء کو کھڑا کرنے، دلائل فراہم کرانے اور اخراجات کے جٹانے میں بورڈ نے کسی طرح کی کمی نہیں ہونے دی، آج پورا ہندوستان بورڈ کی اس خدمت کو سراہ رہا ہے، اس لیے نظر ثانی کے سلسلے میں مثبت، منفی فیصلے کا اختیار بھی اسی کو ہونا چاہیے؛ حالاں کہ نتیجہ اس کا بھی پہلے سے ہمیں معلوم ہے وہ یہ کہ فیصلہ کے کسی شق میں تبدیلی کا امکان معدوم ہے۔

صرف اتنا ہوگا کہ اگر اگلے چیف جسٹس نے نظر ثانی کی عرضی کے پیش نظر اسٹے دے دیا تو شاید کچھ دنوں کے لیے کام رک جائے، چوں کہ موجودہ چیف جسٹس رنجن گگوئی ۱۷/نومبر کو ریٹائر ہو رہے ہیں اور ضروری ہوگا کہ نئے چیف جسٹس نظر ثانی کے لیے جو بنچ بنائیں اس میں کسی کو ان کی جگہ نامزد کریں۔

فیصلہ کس قسم کا آئے گا اس کے بارے میں بھی رخ پہلے سے صاف تھا، جب وزیر اعظم نریندر مودی، آر ایس ایس چیف موہن بھاگوت بار بار بیان دے رہے تھے کہ فیصلہ کو ہار جیت کے نقطۂ نظر سے نہ دیکھا جائے، نقوی کے یہاں مسلم عمائدین کی میٹنگ ہو رہی تھی اور صبر وحوصلہ کی تلقین کی جارہی تھی، دار العلوم دیوبند اور مدارس میں جاکر طلبہ کو قابو میں رکھنے کیلئے ذمہ داروں پر زور ڈالا جارہا تھا، تو معاملہ بالکل صاف نظر آرہا تھا کہ کیا ہونے والا ہے اس کے برعکس غیر مسلم تنظیموں کو بلا کر امن وامان بحال رکھنے کی تلقین نہیں کی جارہی تھی اور نہ ہی ڈی اے وی کالج، گروکل وغیرہ میں کوئی ایسی میٹنگ ہو رہی تھی، اس لیے منظر ہی نہیں پس منظر بھی صاف تھا۔

فیصلہ میں یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ حکومت مندر تعمیر کے لیے ٹرسٹ بنائے گی جو تین ماہ کے اندر مندر کا منصوبہ تیار کرے گا، ٹرسٹ کی تشکیل تک ۷۷ء۱۲ ایکڑ زمین پر حکومت کا حق رہے گا، عدالت نے شیعہ وقف بورڈ اور نرموہی اکھاڑے کی عرضی کو خارج کردیا، البتہ فیصلہ میں یہ کہا ہے کہ ٹرسٹ بناتے وقت نرموہی اکھاڑے کے کسی رکن کو اس کا ٹرسٹی بنایا جاسکتا ہے، شیعہ وقف بورڈ کی طرف سے وسیم رضوی بہت اچھل رہے تھے کہ یہ زمین سنی وقف بورڈ کی نہیں ہے، میر باقی شیعہ تھے اس لئے یہ زمین شیعہ وقف بورڈ کی ہے، اس فیصلہ نے ان کو اپنی اوقات سمجھا دی ہے، اللہ کرے ان کے مزاج میں جو اسلامی شریعت کے خلاف عمل درآمد کا مزاج ہے اس میں اس فیصلے کی وجہ سے کوئی تبدیلی آسکے۔

اس فیصلہ کی ایک بڑی خصوصیت یہ بھی ہے کہ رام للا کو عدالت نے شخصیت عرفی کی حیثیت دیدی ہے اور اصلا اس زمین پر رام للا کا حق تسلیم کیا ہے، جب کہ رام للا کوئی شخص نہیں ہے، نابالغ رام للا کو حیثیت عرفی کے سہارے مسجد میں بیٹھا دیا گیا، ہندی اور انگریزی کے کئی اخبار نے اسے ''رام کی گھر واپسی'' سے تعبیر کیا ہے۔

فیصلہ کے لئے ۹/۱۱ مبینہ طور پر القاعدہ کے ذریعہ امریکہ پر حملہ کی تاریخ ہے، خود وزیر اعظم نریندر مودی نے بار بار اس تاریخ کا حوالہ جرمن کے دیوار برلن کے ٹوٹنے کے طور پر دیا، وہ یہ کہنا چاہ رہے تھے کہ اس فیصلے سے ہندو مسلم کے بیچ کی دیوار ٹوٹ گئی ہے اور ملک کی سلمیت کو اس سے فروغ ملے گا، ظاہری طور پر یہی بات سمجھ میں آتی ہے، لیکن بین السطور میں وہ یہ کہنا چاہ رہے تھے کہ اس فیصلہ نے مسلمانوں کے حوصلے توڑ دیے ہیں اور اب وہ اس مسئلہ پر کچھ کرنے کی پوزیشن میں باقی نہیں رہے۔ جب کہ مسلمانوں کی سوچ یہ ہے کہ ہم نے بازی ہاری ہے، حوصلہ نہیں ہارا۔

اس فیصلہ سے ہندوؤں کے حوصلے بڑھے ہیں، اور اندیشہ ہے کہ وہ دیر سویر متھرا کاشی کے معاملہ کو اکھاڑیں گے اور چوں کہ غیر قانونی ہونے کے باوجود کوئی سزا مورتیاں رکھنے والے اور مسجد منہدم کرنے والے کو نہیں ملی ہے، وہ وہاں بھی کوئی ایسا قدم اٹھا سکتے ہیں، عدالت نے تمام عبادت گاہوں کی موجودہ ہیئت کو برقرار رکھنے کی بات کہی ہے، لیکن بابری مسجد کے بارے میں بھی تو یہی بات کہی جاتی رہی تھی، لیکن مجرمین نے نہ حکومت کے حلف کا خیال رکھا اور نہ عدالت کے فیصلہ کا اور بابری مسجد کا وجود مٹا کر رکھ دیا، ان حالات میں مسلمانوں کو اپنی نئی حکمت عملی بنانی چاہیے اور کوشش کرنی چاہیے کہ ایسی نوبت نہ آئے، ورنہ ان کی فہرست میں اضافہ ہوتا رہے گا، مسجدیں شہید ہوتی رہیں گی، اور ہم چہ می کنم (میں کیا کرتا) سے آگے نہیں بڑھ سکیں گے۔

مسئلہ طلاق کا ہو یا بابری مسجد کا، یہ بات صاف ہوگئی ہے کہ ملک تیزی سے ہندو راشٹر کی طرف بڑھ رہا ہے، راج ناتھ سنگھ نے صاف کردیا ہے کہ اگلا معاملہ یکساں سول کوڈ کا ہوگا، اور ہم خوب جانتے ہیں کہ یکساں سول کوڈ، در اصل ہندو کوڈ ہوگا اور حکومت اپنی اکثریت کے بل پر ایسی ترمیمات پیش کرسکتی ہے، جو اس ملک کے پورے دستوری ڈھانچے کو بدل کر رکھ دے، ہمیں اس سلسلے میں بھی خاموش منصوبہ بندی ابھی سے کرنی چاہیے کہ ہم نئے ہندوستان میں بدلتے ہوئے ماحول کا سامنا کس طرح کریں گے اور دین ومذہب، نیز تہذیب وثقافت کی حفاظت کے نئے خد وخال کیا ہوں گے، عقلمند لوگ بارش آنے سے پہلے گھر کی چھاؤنی کروالیتے ہیں، اور طوفان کے تیز وتند تھپیڑوں سے بچنے کے لیے کامیاب منصوبہ بندی میں وقت لگاتے ہیں۔

اس پورے معاملہ میں شاید پہلی بار مسلمانوں نے دل کو چھلنی کرنے والے اس فیصلے پر اپنے قائدین کی ہدایات کو نہ صرف سنا بلکہ مکمل عمل کرکے دکھایا، پورے ہندوستان میں مسلمانوں نے اس ناموافق فیصلہ پر جس طرح تحمل اور برداشت کا مظاہرہ کیا وہ بھی تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا، حکومتی سطح پر بھی ایسی تیاری کی گئی تھی کہ فسادات کو روکا جاسکے، فیصلے پر جشن منانے پر پابندی تھی، اور دو چار نے سر اٹھایا تو اسے جیل کی ہوا کھانی پڑی، سوشل میڈیا پر بھی سخت نگاہ تھی، اس لئے پورا ہندوستان پر امن رہا، اور دنیا میں مسلمانوں کی ایک اچھی شبیہ بنی۔ اور پر امن ہندوستان کی تصویر لوگوں کے سامنے آئی۔

یادوں کے چراغ

حضرت قاری مشتاق احمدؒ

✍ : مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی

مدرسہ عالیہ عرفانیہ لکھنو اور ایم اے پی (MAP) اسکول ہردوئی روڈ لکھنؤ کے بانی، عربک پرشین بورڈ الہ آباد کے سابق چیرمین، لکھنؤ کی بارعب شخصیت حضرت قاری مشتاق احمد صاحب کا ۱۲/اکتوبر ۲۰۱۹ء مطابق ۱۲/صفر ۱۴۴۱ھ بروز سنیچر بوقت ۷/بجے صبح سہارا اسپتال لکھنؤ میں انتقال ہوگیا، گذشتہ سال رمضان کے مہینے میں ان کا برین ہیمر تج ہوا تھا، علاج سے افاقہ ہوا، بولنے لگے تھے، لیکن ۴/اکتوبر کو شدید بخار آیا، کمزوری بے حد ہوگئی، سہارا اسپتال میں بھرتی کیا گیا، معلوم ہوا کہ پیٹ میں انفکشن کی وجہ سے گردے کا عمل متاثر ہوگیا ہے، پیشاب بھی بند ہوگیا، ونڈی لیٹر پر ڈالا گیا، جمعہ دن گذار کر سنیچر کی رات طبیعت زیادہ خراب ہوئی، سانس لینے کی قوت باقی نہیں رہی تو آکسیجن لگا دیا گیا، تدبیریں ساری کی گئیں پر ملک الموت کی تدبیر غالب آگئی اور حضرت قاری صاحب اس دنیا سے چل بسے، جنازہ اسی دن بعد نماز مغرب اٹھا، مولانا سعید الرحمٰن اعظمی مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے جنازہ کی نماز مدرسہ عالیہ عرفانیہ میں پڑھائی اور عیش باغ لکھنؤ میں تدفین عمل میں آئی، پس ماندگان میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہے، اہلیہ کا انتقال اگست ۲۰۱۷ء میں پہلے ہی ہو چکا تھا۔

حضرت قاری مشتاق احمد بن حضرت مولانا محمد احمد پرتا بگڈھیؒ (ولادت ۱۳۱۷ھ وفات ۳/ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۲/اکتوبر ۱۹۹۱) بن جناب غلام محمدؒ صاحب (۴/مئی ۱۹۱۴ء مطابق ۱۸۹۹ء) کی ولادت ضلع پرتاپ گڈھ یوپی کے گاؤں پھول پور میں ۱۹۳۲ء میں ہوئی، قاری صاحب سات بہنیں اور تین بھائی تھے، تین بہنیں اور ایک بھائی مولانا اشتیاق احمد صاحب نے قاری صاحب کی زندگی میں ہی داغ مفارقت دیدیا تھا، چار بہنیں اور ایک بھائی حضرت مولانا محمد احمد پرتا پگڈھیؒ کی یادگار حی القائم ہیں۔

ابتدائی تعلیم آبائی گاؤں کے مکتب میں ہوئی، حفظ قرآن کے لیے پرتاپ گڈھ سٹی کے ایک مدرسہ میں داخلہ لیا، تکمیل حفظ کے بعد مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ سے روایت حفص کی تکمیل کی، عربی تعلیم کے لئے دار العلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ لیا، لیکن تین سال بعد تعلیم چھوڑ کر تدریس میں لگ گیے، مدرسہ عالیہ فرقانیہ جوان کی مادر علمی تھی، اس میں پڑھانا شروع کیا، قاری سابق صاحبؒ کے معین کے طور پر ابتدا میں کام کرتے رہے، ان کے انتقال کے بعد مستقل استاذ کی حیثیت انہیں حاصل ہوگئی اور پوری دل جمعی کے ساتھ قرآن کریم کی خدمت میں لگ گیے، ۱۹۷۷ء میں مدرسہ عالیہ فرقانیہ کے ذمہ داروں سے ذہنی ہم آہنگی باقی نہیں رہنے کی وجہ سے انہوں نے استعفیٰ دیدیا، ان دنوں آپ تدریس کے ساتھ مسجد داروغہ حیدر بخش چوک لکھنؤ میں امامت کے فرائض بھی انجام دیتے تھے، استعفیٰ دے کر مسجد میں آکر لیٹ گیے، تھوڑی دیر میں مدرسہ فرقانیہ کے بہت سارے طلبہ مسجد حیدر بخش پہونچ گیے اور مصر ہوئے کہ ہم تو آپ سے ہی پڑھیں گے، قاری صاحب نے اس سلسلہ میں کچھ سوچا نہیں تھا، طلبہ کے بے حد اصرار پر ان کی رہائش اور کھانے کا نظم کر دیا اور تعلیم شروع ہوگئی، ۱۹۷۷ء سے ۱۹۸۷ء تک مسجد داروغہ حیدر بخش میں ہی یہ سلسلہ جاری رہا، قاری صاحب کی جد وجہد سے ۱۹۸۸ء میں عبد العزیز روڈ اکبری گیٹ پر ایک وسیع آراضی حاصل ہوگئی، تعمیر کا کام شروع ہوا اور ایک سال میں مدرسہ عالیہ عرفانیہ کی عمارت بن کر تیار ہوئی تو ۱۹۸۹ء میں طلبہ مدرسہ کی نئی عمارت میں منتقل ہوگیے، تب سے آج تک یہ ادارہ علم وفن کے مرکز کی حیثیت سے متعارف ہے، اور بڑی مفید خدمت انجام دے رہا ہے۔

قاری صاحب نے ۱۹۹۸ء سے ۲۰۰۱ء تک عربک پرشین بورڈ الہ آباد کے چیرمین کی حیثیت سے وقیع خدمات انجام دیں، انہوں نے مغربی علوم کے ام اے پی ہائی اسکول ۲۰۰۳ء میں قائم کیا، قاری صاحب کی ذہانت دیکھیے، ام اے پی کا پورا مولانا احمد پرتاب گڈھی بھی ہوسکتا ہے اور مشتاق احمد پرتاب گڈھی بھی۔

میرا آنا جانا لکھنؤ لگا رہتا تھا، جب میرے بھائی ماسٹر محمد ضیاء الہدیٰ رحمانی (م ۲۰۱۸ء) کے داماد مولانا محمد قمر عالم ندوی جو میرے لڑکا محمد نظر الہدیٰ قاسمی کے ہم زلف بھی ہیں، ندوۃ سے فراغت کے بعد ۲۰۰۳ء میں مدرسہ عالیہ عرفانیہ کے استاذ بن گیے تو مدرسہ عرفانیہ میں آنا جانا شروع ہوا، حضرت قاری صاحب سے ملاقات پہلی بار وہیں ہوئی تھی، ۲۰۰۴ء میں انہوں نے اپنے والد محترم حضرت مولانا محمد احمد پرتاپ گڈھیؒ پر ایک سمینار کا انعقاد کیا تو مقالہ لکھنے کے لئے مجھے بھی مدعو کیا، حکم کی تعمیل میں میں نے مقالہ لکھا اور سمینار میں پڑھا بھی، عنوان تھا، ''عرفان محبت کے پیامبر مولانا محمد احمد پرتاپ گڈھی''، یہ مقالہ سمینار کے مجموعہ میں شامل ہے اور میری کتاب نقد معتبر میں بھی موجود ہے، تعلقات کا دائرہ بڑھا تو ویشالی کے دورہ کی ترتیب بھی بن گئی، چنانچہ حضرت قاری صاحبؒ نے بہار کے مختلف اضلاع کا ۲۰۰۴ء میں دورہ کیا، ۵/جنوری کو ویشالی تشریف لائے، اس سفر میں وہ معہد العلوم الاسلامیہ چک چمیلی سرائے ویشالی، مدرسہ اسلامیہ اماموری پاتے پور، مدرسہ احمدیہ ابا بکر پور ویشالی کے ساتھ میرے گھر بھی رونق افروز ہوئے اور ایک شب حسن پور گنگھٹی بکساما، ویشالی میں بھی گذارا، میری ذاتی لائبریری نور اردو لائبریری حسن پور گنگھٹی کو بھی دیکھا اور مسرت کا اظہار کیا، اس سفر میں ان کے ساتھ پروفیسر ضیاء الحسن صاحب (جوان دنوں امیر الدولہ کالج لکھنؤ میں پروفیسر تھے) وغیرہ تھے، بعد میں پروفیسر ضیاء الحسن صاحب نے بہار کی بَہار کے عنوان سے تفصیلی سفر نامہ لکھا تھا، جو نقیب میں کئی قسطوں میں چھپا تھا اور میرے اوپر لکھی گئی کتاب ''ثناء الہدیٰ قاسمی۔ شخصیت اور خدمات'' میں اس سفر نامہ کا اس قدر حصہ جو گاؤں کے حوالہ سے ہے اس کتاب میں شامل ہے، اسے وہاں دیکھا جا سکتا ہے۔

قاری صاحبؒ کی ایک بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ اکیلے سفر نہیں کرتے تھے، پورا قافلہ ان کے ساتھ ہوتا تھا، ٹرین اور گاڑی کسی چیز کا کرایہ وہ دوسرے سے نہیں لیتے تھے، سب کچھ خود خرچ کرتے تھے، بلکہ جہاں جاتے تھے وہاں کے ادارے کو بھی نوازتے تھے، ان کا ہاتھ کھلا ہوا تھا، اس سفر میں بھی جہاں گیے اپنی سخاوت کا نقش جمیل چھوڑا اور بڑی رقم ہدیہ وتحفہ میں لوگوں کو دیا، ان کی سوچ یہ تھی کہ مدرسہ کی آمدنی کو سیٹھ کی تجوری میں بند کر کے نہیں رکھنا چاہیے، ضرورت کے مطابق رکھو اور جو ضرورت سے زائد ہو اسے دوسرے ضرورت مند مدرسوں کو دیدو، اس سفر میں جب وہ چشمہ فیض ململ گیے تو مدرسہ کے ایک کمرہ کی تعمیر کے اخراجات کے ساتھ مدرسین کی تنخواہ میں دو دو سو روپے کا اضافہ کر دیا اور رمضان تک جو اضافی تنخواہ بنتی تھی وہ اپنی جیب خاص سے ادا کیا۔ ویشالی کا سفر ان کا دوسری بار بھی ہوا اور وہ چک چمیلی مدرسہ تشریف لائے، میں بعض مجبوریوں کی وجہ سے نہیں پہونچ سکا تو اس کا ملال ان کو بہت ہوا، بلکہ کافی دنوں تک برافروختہ رہے، قاری صاحب بہت بافیض تھے، ان کی موت ایک شخص نہیں ایک انجمن کی موت ہے، اللہ مغفرت فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل دے۔ آمین۔

کتابوں کی دنیا

تبصرہ کے لئے کتابوں کے دو نسخے آنے ضروری ہیں

تصوف کا ایک اجمالی جائزہ

✍ : مولانا رضوان احمد ندوی

تصوف مذہب کی روح، اخلاق کی جان اور ایمان کا کمال ہے، جس کی غایت ابدی سعادت تک پہونچنا ہے، حضورؐ جو دین لے کر آئے وہ ظاہر و باطن اور جسم وقلب کی اصلاح وتربیت کا جامع دستور العمل ہے، اسی لئے بزرگوں نے لکھا کہ جسم وقلب کی اصلاح کے احکام ایک ہی بار اللہ جل جلالہ سے صادر ہوئے ہیں اور شعبہ نبوت کے ذریعہ ظاہری وباطنی احکام کے کوثر وتسنیم کے چشمے جاری کئے گئے ہیں، جو قلب وجسم کی ہدایت کا سبب ہیں، کتاب وسنت کے ظاہری احکام فقہ کے نام سے مدون ہوئے، اور باطنی اوامر کی فقہ سلوک وتصوف کے نام سے ترتیب پائی، دونوں کے سوتے ایک ہی سرچشمۂ ہدایت سے پھوٹے ہیں، اور دونوں ایک ہی شجر طوبیٰ کی شاخیں ہیں ایک فن کے ماہرین فقہاء کہلائے تو دوسرے کے رمز آشنا صوفیہ کے نام سے منسوب ہوئے یہ صوفیائے کرام سیر وسلوک کی بہت سی منزلوں سے گذرتے ہیں، ہیں، پھر فنائیت ومحبوبیت کے اعلیٰ مدارج پر فائز ہوتے ہیں اور لوگ ان کی کرامات، خوارق عادات کے تذکروں سے حلاوت محسوس کرتے ہیں، یہ اور بات ہے کہ صوفیائے کرام اپنی کرامتوں کو اپنا کوئی شرف وکمال نہیں سمجھتے؛ لیکن اس طرح کے تذکروں سے ناظرین کے اندر خود اعتمادی کے ساتھ کچھ کر گذرنے کا جذبہ ابھرتا ہے، اسی لیے ماضی میں اس موضوع پر اردو عربی میں کئی معرکۃ الاراء کتابیں مرتب ہوئیں، ان میں مدارج السالکین، رسالۃ قشیریہ، سلوک سلیمانی، خزینیۃ الاصفیاء، سیر العارفین، مناقب الاصفیاء، تذکرۃ العاشقین، تاریخ مشائخ چشت تاریخ دعوت وعزیمت وغیرہ تصانیف بے حد مقبول ہوئیں، اسی سلسلۃ الذہب کی ایک تازہ تصنیف مفید کتاب ''تصوف کا ایک اجمالی جائزہ'' بھی ہے، جس کو ممتاز عالم دین اور ہمارے مخلص دوست اور کرم فرما الحاج حافظ وقاری مولانا محمد عالم قاسمی امام وخطیب جامع مسجد دریا پور پٹنہ نے مرتب کیا ہے اور تصوف کے اعمال واشغال سے متعلق چار صوفی سلاسل چشتی، قادری، سہروردی، اور نقشبندی کی عظمت اور ان کے علوم ومعارف کو موضوع سخن بنایا اور ان کی ریاضتوں مجاہدوں اور کوششوں پر سیر حاصل گفتگو کی ہے، اس ضمن میں ہندوستان میں تصوف وروحانیت کی روایت پر بھی عمدہ کلام کیا اور وضاحت کی کہ انہیں خدا ترس بزرگوں کی مجاہدانہ کوششوں سے برصغیر ہندو پاک میں اسلام کی شمع روشن ہوئی، مولانا موصوف نے تصوف کے ان مباحث میں راہ اعتدال کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رکھا، اور شکوک وشبہات دور کرنے کی کوشش کی ورنہ تصوف کی بعض کتابوں میں کچھ ایسے مضامین بھی آ گئے جن سے بعض طبائع کو وحشت ہوسکتی ہے۔ اسی لئے کتاب کی تقریظ پر مولانا مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی نے واضح کر دیا کہ شریعت اصل ہے اور شریعت کے خلاف اگر کہیں کوئی عمل ہے تو ہمیں اس سے اپنی برأت کا اظہار کرنا چاہیے، اسی طرح ان فلسفیانہ بحثوں میں بھی نہیں پڑنا چاہیے، جن کا حاصل سوائے بحث وتمحیص کے کچھ نہیں، پروفیسر سرور عالم ندوی کے بقول جو عمل شریعت وطریقت اسلامیہ کی تعلیمات کے مطابق ہے وہ محمود ومطلوب ہے، اور اگر شریعت اسلامی کے خلاف ہے تو وہ مردود ومبغوض ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد عابد حسین پٹنہ نے کتاب کے مقدمہ میں ایسی خوبصورتی کے ساتھ تصوف کی روح بیان کر دی ہے کہ تصوف دراصل تزکیہ نفس کا نام ہے اور نفس انسانی مجلی ہوتا ہے تو اس وقت حقیقتا انسان کامل ہوتا ہے، انسانیت کی خدمت اس کا مسلک ہوتا ہے، خلوص وصفا اور یک رنگی تصوف کی بنیاد ہے، اور اسی حقیقت کو مولانا نے دلائل کے ذریعہ واضح کیا ہے۔ ۷۴ اصفحات پر مشتمل اس کتاب میں خواجہ معین الدین چشتی، شیخ شرف الدین یحیٰ منیری، شیخ عبد القادر جیلانی، حضرت مجدد الف ثانی وغیرہ جیسے اولیاء کرام کے اجمالی تذکرے، احوال وملفوظات سے اس کی قدر وقیمت میں گرانقدر اضافہ ہوگیا، شاید فاضل مصنف نے کتاب کی ضخامت سے بچنے کی خاطر اس موضوع کے چند اہم گوشوں سے صرف نظر کر لیا، تاہم جو کچھ بھی لکھا ہے وہ قابل تعریف ہے، اللہ تعالیٰ لائق مصنف کو اس علمی خدمت کا صلہ عطا فرمائے، ہاں اگر صوفیاء کرام کے تذکروں میں سن کی ترتیب کا لحاظ رکھا جاتا تو قارئین کرام کو استفادہ میں سہولت ہوتی، کہیں کہیں کمپوزنگ کی غلطیاں بھی راہ پا گئی ہیں، ویسے یہ کتاب مجموعی طور پر اپنے موضوع پر ایک جامع تصنیف ہے، اس راہ کے مسافروں کے لئے یہ کتاب نشان راہ بھی ہے اور جادۂ منزل بھی، ممکن ہے کہ عام لوگوں کو اس کی اصطلاحات سر سے گذر جائیں تاہم انہیں بھی اس سے استفادہ کی کوشش کرنی چاہیے، ان شاء اللہ مطالعہ سے انہیں اپنی کوتاہیوں اور غفلتوں کا احساس اور اصلاح حال کا جذبہ پیدا ہوگا۔ کتاب کی طباعت واشاعت بڑا دشوار گذار مرحلہ ہوتا ہے، بہار اردو ڈائرکٹوریٹ نے مولانا کے اس دردسر کو ہلکا کر دیا، ماشاء اللہ اس کی طباعت بہت عمدہ اور کاغذ نفیس ہے، حسن ظاہر بھی لائق تعریف ہے توقع ہے کہ ان کی دوسری تصانیف کی طرح یہ کتاب بھی مقبول عام ہوگی، علم دوست حضرات مولانا موصوف سے ان کے موبائل نمبر 9534286657 پر رابطہ کریں یا 300 سو روپے بھیج کر شکیل بک ڈپو اردو بازار سبزی باغ پٹنہ سے طلب کریں۔

مولانا ابوالکلام آزاد اور ان کی تعلیمی خدمات

محمد عظیم الدین انصاری حاجی پور

آزاد ہندوستان کے اولین وزیر تعلیم اور جنگ آزادی کے جانباز سپاہی حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ کی پیدائش ۱۸۸۸ء کو عرب کی مقدس سرزمین مکہ معظّمہ میں ہوئی، وہ ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے، مولانا آزادؒ کو خالق حقیقی نے پیدائشی طور پر ایسی صلاحیتوں سے نوازا تھا کہ صالحیت اور علمیت کے نقوش ان کے کم عمری سے ہی ظاہر ہونے لگے تھے، ۱۴، ۱۵/سال کی عمر سے ہی وہ اپنی غیر معمولی دانش وعلم سے ہم عصرا کابر پر اپنی چھاپ ڈالنے لگے تھے، وہ اپنے زمانے کے ایک عظیم فلسفی، ماہر تعلیم، سیاست داں اور ایک لائق وفائق عالم وفاضل اور سچے محبّ وطن تھے۔

ہندوستان کی جنگ آزادی میں مولانا آزاد کا بہت بڑا حصہ رہا ہے، انہوں نے مہاتما گاندھی کے شانہ بشانہ ملک کو آزاد کرانے میں انگریزی سرکار سے نہایت بہادری اور ہمت وحوصلہ کے ساتھ لڑتے رہے ان کو جنگ آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے دیکھ کر ایک پریس والے نے ان سے سوال کیا تھا ''کہ ایک مذہبی عالم کو جنگ آزادی میں حصہ لینے کا کیا مطلب''، اس پر انہوں نے جواب دیا تھا ''کہ ملک کی آزادی کے بغیر دین ومذہب آزاد نہیں رہ سکتا''۔ یہ ان کی ایک عمدہ سوچ وفکر تھی جو دوسروں کے لئے ایک مشعل راہ ہے۔

مولانا آزادؒ ۱۹۳۰ء میں آل انڈیا نیشنل کانگریس کے صدر منتخب ہوئے، اور مارچ ۱۹۴۰ء تک صدر کے عہدے پر فائز رہے، ۱۵/جنوری ۱۹۴۷ء کو مہاتما گاندھی کے مشورہ پر وہ وزارت میں شامل ہوئے اور وزیر تعلیم کا قلمدان سنبھالا، بعد میں سائنسی اور کلچر کی اضافی ذمہ داری بھی انہیں سونپی گئی، ۱۹۵۲ء میں جب پہلا عام انتخاب عمل میں آیا تو اس کے بعد مولانا آزاد وزیر تعلیم قدرتی وسائل اور سائنسی تحقیقات محکمہ کے وزیر مقرر ہوئے۔ ۱۹۵۷ء کے دوسرے عام انتخاب کے بعد بھی وزیر بنے، ہندوستان آئین ساز کمیٹی میں ایک ممبر کی حیثیت سے بھی کافی سرگرم عمل رہے، یوں تو مولانا آزاد کی خدمات کئی جہتوں پر مشتمل ہیں، لیکن تعلیمی میدان میں ان کی جو خدمات رہی ہیں وہی خدمات اس مضمون کا موضوع ہے جس پر مختصراً روشنی ڈالنے کی میں نے سعی کی ہے۔ مولانا آزاد کی گیارہ سالہ دور وزارت میں ہندوستان کی تعلیمی ارتقاء کی تاریخ میں نہایت اہمیت رکھتی ہے، فنی تعلیم کی کل ہند مجلس کی تنظیم جدید، یونیورسیٹی گرانٹس کمیشن کا قیام، کونسل فار سائنٹفک اینڈ انڈسٹریل ریسرچ SIR کی تحریک اور اس کے تحت سائنسی تحقیقات کے قومی اداروں کا قیام، انڈین انسٹی ٹیوٹ آف سائنس کی تیزی کے ساتھ ترقی جیسے اہم امور اسی دور میں انجام پائے، اسی اثناء میں انڈین انسٹی ٹیوٹ آف سائنس نے سائنس وٹکنالوجی کی اعلیٰ تعلیم وتحقیق کے ایک مرکز کی حیثیت اختیار کی۔

مولانا آزادؒ نے اپنی عملی زندگی کی شروعات ایک صحافی کی حیثیت سے کی، جس میں مسلمانوں کے سیاسی شعور کو بیدار کرنے، تحریک آزادی میں ہم وطنوں کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر چلنے اور آزاد ہندوستان کی اہمیت اور اس کے تصور کو اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ ان میں سائنسی فکر ونظر کو عام کرنے، انہیں توہم پرستی سے چھٹکارہ دلانے، سائنس کی تعلیم کے حصول کی ترغیب دینے اور سائنسی علوم کو فروغ دینے کے لئے خدمات انجام دیں، ملک میں ابتدائی تعلیم سے لے کر اعلیٰ تعلیم تک کے حصول کا اہتمام کیا، سائنسی تحقیقات اور ٹکنالوجی کے فروغ کے لئے درکار پروگرام اور منصوبے بنائے اور انہیں تکمیل کو پہونچانے کے لئے سائنسی، صنعتی، تحقیقی وتربیتی اداروں کا قیام عمل میں لائے۔

مولانا آزاد کا یہ ماننا تھا کہ منصوبہ کا مقصد صرف سائنس وٹکنالوجی، زرعی پیداوار، صنعت وحرفت، بجلی، ذرائع آمد ورفت اور دوسرے زمروں میں ترقی کرنا ہی نہیں ہے، بلکہ اس میں یہ خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ اہل ملک اور نئی نسل کی ذہنی تربیت صحیح طور پر ہوتا کہ انہیں اچھے شہری بننے کا موقع مل سکے، اعلیٰ فنی تعلیم اور تربیت کے لئے مولانا آزاد کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے ۱۹۵۱ء میں کھڑک پور انسٹی ٹیوٹ آف ہائر ٹکنالوجی کے قیام کو عملی شکل دی، جس نے بعد میں انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ٹکنالوجی IIT کھڑک پور کے نام سے ملک بھر میں شہرت حاصل کی، ۱۹۵۰ء میں حکومت بنگال نے صنعتی ادارے کی تعمیر کے لئے کھڑک پور میں وزارت تعلیمات کو بارہ سو ایکڑ زمین پیش کی، یہ ادارہ ایک سال کے عرصہ میں مزید ترقی کی طرف گامزن ہوا۔ کونسل فار سائنٹفک اینڈ انڈسٹریل ریسرچ CSIR کا قیام ۱۹۴۲ء میں عمل آیا تھا، لیکن اس کی توسیعی کام ۱۹۴۹ء سے شروع ہوا، پنڈت نہرو بحیثیت وزیر اعظم اس کے صدر اور مولانا آزاد بحیثیت وزیر تعلیم وسائنس وٹکنالوجی اس کے نائب صدر مقرر ہوئے، قوم کی ترقی میں سائنس کے اہم رول کے بارے میں مولانا آزادؒ کے خیالات بالکل واضح تھے، وہ اپنے ملک کے سائنسی ماہرین کو اس بات کی تلقین کرتے کہ سائنسی علوم کو سماجی ترقی کے لئے بروئے کار لائیں اور اس بات کا انتباہ دیتے کہ وہ سائنس اور ٹکنالوجی کی دریافتوں اور ایجادات کے انسانیت سوز استعمال سے باز رہیں۔

آل انڈیا کونسل برائے ٹیکنیکل ایجوکیشن اور سائنٹیفک میں پاور کمیٹی کی شفارشات کو روبہ عمل لاتے ہوئے یونیورسیٹیوں اور دیگر اعلیٰ فنی اداروں کو تعلیم اور تحقیق کے لئے فراخدلانہ طور پر گرانٹ منظور کی گئی، ڈیولپمنٹ پروگرام کے پہلے مرحلے میں ملک کے مختلف حصوں میں چودہ تکنیکی اداروں کا قیام عمل میں لایا گیا، انڈین انسٹی ٹیوٹ آف سائنس بنگلور کو وافر مقدار میں جاری کی گئی گرانٹ کے نتیجہ میں اس کے موقف میں نمایاں تبدیلی آئی، پوسٹ گریجویٹ سطح کی تعلیم اور تحقیق کو بروئے کار لایا جا سکا، دہلی پالی ٹیکنک کی ترقی ہوئی، وہ دہلی یونیورسٹی کے لئے ٹکنالوجی کے شعبہ کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے تھے، انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ٹکنالوجی کھڑک پور انجینئرنگ وٹکنالوجی سے شعبے میں تحقیق وتدریس کی اعلیٰ سہولتیں فراہم ہوئی، ملک کی ترقی کے لئے یہ سنگ میل ثابت ہوئی، دیہی علاقوں میں سڑکوں کی تعمیر اور ان پر گاڑیوں کے استعمال ضرورت کو پورا کر سکے، چنانچہ نامور ماہرین کی خدمات سے استفادہ کیا گیا اور سنٹرل الکٹرانکس انجینئرنگ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ پلانی (راجستھان) کا قیام عمل میں لایا گیا، (بقیہ اگلے کالم میں)

ہندوستان اقتصادی بحران کا شکار

محمد فاروق اعظمی

مہنگائی اور بے روزگاری روز بروز بڑھتی جا رہی ہے، ملک کا اقتصادی نظام زوال پذیر ہے، روزانہ کی بنیاد پر آرہی نت نئی خبروں اور اعداد وشمار اس کی تصدیق کر رہے ہیں کہ ہندوستان میں کساد بازاری اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے، کارخانوں میں پیداوار بند ہے، عوام الناس کی اکثریت قوت خرید سے محروم ہو رہی ہے، کارخانہ دار سامانوں سے بازار سجانا لاحاصل سمجھ رہے ہیں، کارکنوں کو اجرت کے بجائے ملازمت سے برطرفی کا پروانہ تھمایا جا رہا ہے، یہ صورتحال معمولی نہیں ہے۔

حکومت بھلے ہی اسے عالمی کساد بازاری کا اثر قرار دے اور ریزرو بینک وقتی بحران کی گردان کرتا رہا ہے، لیکن حصص بازار میں گزشتہ کئی دنوں سے جاری نشیب کا سلسلہ کچھ اور ہی داستان سنا رہا ہے، صنعتی دنیا دوڑنے کی بجائے ہانپتے ہوئے بیٹھتی جا رہی ہے، بازار میں مختلف صنعتوں اور کمپنیوں کے حصص کا حشر نشر ہو چکا ہے، رواں مالی سال کی پہلی سہ ماہی میں مجموعی گھریلو پیداوار (جی ڈی پی) سات برسوں کی نچلی ترین سطح پر پہنچ گئی ہے، ۸/اہم صنعتوں کے انڈیکس میں ۱.۲ فیصد کا مایوس کن اضافہ حصص بازار کے زمین بوس ہونے کا سبب بن رہا ہے۔

وزیر اعظم نریندر مودی کی اپنی ریاست گجرات میں ۵۰/ سے زیادہ کارخانے بند ہو گئے ہیں اور ہزاروں افراد بے روزگاری کا جوا کاندھے پر اٹھائے گھومنے پر مجبور ہیں، یہ صورتحال ملک کی اقتصادیات کے لئے کسی بھی حال میں مناسب نہیں کہی جا سکتی ہے، بالخصوص ایک ایسے ملک کے لئے جو اگلے پانچ برسوں میں ۵/لاکھ کروڑ ڈالر کی معیشت بننے کا سنہرا خواب دیکھ رہا ہو۔

تازہ خبر یہ ہے کہ اگست ماہ میں پیداوار کے شعبہ میں گزشتہ پندرہ مہینوں کی سب سے زیادہ گراوٹ درج کی گئی ہے۔ یہ طلب ورسد کے غیر متوازن ہونے کا کھلا ثبوت ہے، طلب میں کمی آجانے کی وجہ سے پیداوار بند ہیں، کارخانوں کے پہیئے رکے پڑے ہیں، بازار میں خریدار نہیں ہیں، کچھ خریدار ہیں تو ان کی قوت خرید ختم ہو گئی ہے، ملکی کرنسی کی قدر میں روز بروز کمی آرہی ہے، ڈالر کے مقابلے میں روپیہ اپنی قدر کھوتے ہوئے فی ڈالر ۷۲.۵۰ روپے آچکا ہے۔

سب سے چونکانے والی خبر تو یہ ہے کہ روزمرہ استعمال کی چیزیں یعنی ایف ایم سی جی (فاسٹ موونگ کنزیومر گڈس) کا شعبہ زوال پذیر ہو گیا ہے، سامانوں کی کھپت کی شرح گزشتہ ڈیڑھ سال کی کم ترین سطح پر آگئی ہے، اس شعبہ میں طلب نہیں ہونے کا سیدھا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے پاس خریداری کے لئے رقم نہیں ہے، مندی کی اس مار میں اپنے کو بچائے رکھنے کے لئے صنعتوں نے سب سے پہلا قدم اپنے ملازمین کی چھٹی کر دی ہے۔ اس سے لاکھوں لوگوں کا روزگار چھن گیا ہے۔

پیداواری شعبہ کا ملک کی جی ڈی پی میں سب سے زیادہ حصہ ہوتا ہے، طلب پیداوار، خریداری، روزگار وغیرہ سب ایک دوسرے پر ہی منحصر ہوتے ہیں، ایسے میں اگر کارخانے ٹھپ پڑنے لگیں تو بحران کا ایک دائرہ بن جاتا ہے، بحران کے اسی دائرہ کو توڑنا آج ہندوستان کی سب سے پہلی ضرورت ہے۔ گزشتہ مہینوں میں پہلی بار ایسا ہوا ہے جب کارخانوں کے خام مال کی خریداری میں گراوٹ آئی ہے، کارخانوں کی یہ حالت آنے والے برے دنوں کا اشارہ ہے، ملک میں آٹو موبائل کی صنعت تو گزشتہ چند مہینوں سے کساد بازاری کی مار جھیل رہی ہے، بھلے اس کے پیچھے جی ایس ٹی یا دوسری وجہ بتائی جا رہی ہو۔ لیکن آٹو صنعت کی اس کساد بازار نے عرصہ پہلے ہی انتباہ دے دیا تھا مگر بروقت دھیان نہ دینے کی وجہ سے کساد بازاری کے اس دائرہ نے درجنوں دوسری صنعتوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے، جب کسی ایک صنعت میں مندی کا اثر پڑتا ہے تو وہ اس بات کا اشارہ ہوتا ہے کہ دوسری صنعت پر بھی اس کا اثر جلد ہی پڑنے والا ہے، اکیلے آٹو موبائل صنعت سے سیکڑوں صنعتیں وابستہ ہیں، جو لامحالہ اس سے متاثر ہوئی ہیں۔

ملک کی اقتصادی حالت پر ایک ماہر معاشیات، وزیر خزانہ اور ریزرو بینک کے گورنر رہ چکے سابق وزیر اعظم منموہن سنگھ کی تشویش بھی کافی سنگین بحران کی جانب اشارہ کرتی ہے، اقتصادیات کی اس ڈگمگاتی کشتی نے سرمایہ کاروں سے لے کر عوام تک کے اندر ایک طرح کا خوف اور غیر یقینی صورتحال پیدا کر دی ہے۔ اقتصادی بحران عوام پر براہ راست اثر انداز ہو رہا ہے، ہر گزرتے دن کے ساتھ عوام کے حالات زندگی بدتر ہوتے چلے جا رہے ہیں، ہر آنے والا دن انہیں ایک نئے عذاب کا عنوان معلوم ہوتا ہے، بند ہوتے کل کارخانے مزدوروں کے لئے الگ عذاب جان بنے ہیں، روزگار چھن جانے کا خوف اور بے یقینی کے ماحول میں ان کی زندگی اجیرن ہو گئی ہے، عوام کی توجہ بھٹکانے کے لئے غیر ضروری مسائل میں الجھایا جا رہا ہے۔

ملک کا موجودہ معاشی اور اقتصادی منظر نامہ ایسا نہیں ہے کہ ہم وقتی اور سیاسی کامیابیوں کی بنیاد پر اپنی پیٹھ تھپتھپا لیں، اپاچے کو فضائی میں شامل کرنا اور ہتھیلی پر چاند سجا لینا اصل کامیابی نہیں ہے۔ حکومت کی اصل کامیابی اس وقت ہوگی، جب ہندوستان کے ہر غریب کو روٹی اور ہر بے گھر کو چھت میسر ہو، ہر نوجوان کو روزگار کا ذریعہ حاصل ہو، انہیں خوف اور تشویش کے ماحول سے نکالنے کا سامان کیا جائے، کارخانوں اور صنعتی اداروں کی بہتری کے لئے ٹھوس حکمت عملی اور لائحہ عمل تیار کر کے ان پر نیک نیتی کے ساتھ عمل کیا جائے۔ حکمراں طبقہ اپنے کو عقل کل سمجھنے کے بجائے قومی مفاد کی بنیاد پر حزب اختلاف کے معاشی اور اقتصادی ماہرین کی بھی مدد حاصل کر سکتے ہیں، عوام کو ہر روز لگنے والے معاشی اور اقتصادی حملوں کے اس نشتر سے چھٹکارا اور ۱۲۵ کروڑ ہندوستانیوں کے لئے روٹی اور چھت کا ہدف جب تک پورا نہیں ہوتا اس وقت تک ہر کامیابی ادھوری ہے۔

(بقیہ مولانا ابو الکلام آزاد) اس طرح مولانا آزادؒ نے اپنی وزارت کے گیارہ سالہ دور میں سائنس کی تحقیق وترقی، ٹکنالوجی تعلیم کی اشاعت اور فروغ کے میدانوں میں ملک کی ترقی کے لیے نئی سمتیں متعین کیں۔

۲/فروری ۱۹۵۸ء کی شب داعی اجل کو لبیک کہا اور جامع مسجد دلی کے زیر سایہ اردو پارک میں مدفون ہوئے، مولانا ابوالکلام آزادؒ کے ان کارناموں کو ہندوستان کی تاریخ میں جلی حرفوں میں لکھا جانا چاہیے۔

بابری مسجد تاریخ کے مختلف مراحل میں

مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

مسجد کی تعمیر اوراس کی تاریخی حیثیت:

تین گنبدوں والی یہ قدیم مسجد شہنشاہ "بابر" کے دور میں اودھ کے حاکم "میر باقی اصفہانی" نے ۹۳۵ھ (مطابق ۱۵۲۸ء میں تعمیر کرائی تھی، مسجد کے مسقّف حصہ میں تین صفیں تھیں اور ہر صف میں ایک سو بیس نمازی کھڑے ہو سکتے تھے، صحن میں چار صفوں کی وسعت تھی، اس طرح بیک وقت ساڑھے آٹھ سو مصلی نماز ادا کر سکتے تھے۔ مسجد کے درمیانی مرکزی در کے اوپر دو میٹر لمبی اور پچپن سینٹی میٹر چوڑی پتھر کی تختی کا ایک کتبہ نصب تھا، جس کی پہلی اوپر سطر میں "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم وبہ ثقتی" خوشنما بیلوں کے درمیان لکھا ہوا تھا، اور نیچے کی تین سطروں میں یہ اشعار تھے۔

بنام آنکہ او دانائے اکبر   کہ خالق جملہ عالم لامکانی
درود مصطفیٰ بعد از ستائش   کہ سرور انبیاء زبدہ جہانی
فسانہ در جہاں بابر قلندر   کہ شد در دور گیتی کامرانی
چنانکہ ہفت کشور در گرفتہ   زمیں راچوں مثالے آسمانی
درآں حضرت یکے میرِ معظم   کہ نامش میر باقی اصفہانی
مشیرِ سلطنت تدبیر ملکش   کہ ایں مسجد حصار ہست بانی
خدایا در جہاں تابندہ ماند   کہ چتر وتخت وبخت وزندگانی
دریں عہد و دریں تاریخ میموں   کہ نہ صد پنج وسی بودہ نشانی

تمت ہذا التوحید ونعت ومدح وصفت نور اللہ برہانہ بخط عبدالضعیف نحیف فتح اللہ محمد غوری۔

اس بڑے کتبہ کے علاوہ اندرونِ مسجد منبر کی دونوں جانب ایک ایک کتبہ نصب تھا، ۲۷/مارچ ۱۹۳۴ء کے ہنگامہ کے موقع پر جو گاؤکشی کے عنوان کا بہانہ بناکر برپا کیا گیا تھا، مسجد میں گھس کر بلوائیوں نے توڑ پھوڑ کی تھی، جس میں یہ دونوں کتبے بھی اٹھالے گئے تھے، بعد میں "تہور خاں ٹھیکیدار" نے منبر کی بائیں سمت والے کتبہ کی نقل تیار کرا کے اسی پہلی جگہ پر اسے نصب کرادیا، داہنی جانب کے کتبہ کی ایک نقل سید بدرالحسن فیض آبادی کے پاس محفوظ تھی، اس لئے اس کتبہ کی عبارت بھی دستیاب ہوگئی۔ بائیں سمت کا کتبہ حسب ذیل اشعار پر مشتمل تھا۔

بفرمودۂ شاہ بابر کہ عدلش   بنائیست باکاخ گردوں ملاقی
بناکرد ایں مہبط قدسیاں را   امیر سعادت نشاں میر باقی
بود خیر باقی وسال بنائش   عیاں شد چوں گفتم بود خیر باقی

داہنی جانب والے کتبہ کے اشعار یہ تھے۔

بمنشائے بابر خدیو جہاں   بنائے کہ باکاخ گردو عناں
بناکرد ایں خانۂ پائیدار   امیر سعادت نشاں میر خاں
بماند ہمیشہ چنیں بانیش   چناں شہر یارِ زمین وزماں

ابتدائے تعمیر سے بابری مسجد میں نماز پنج گانہ اور جمعہ ہوتا رہا ہے، عدالتی کاغذات سے معلوم ہوتا ہے کہ ماضی قریب یعنی ۱۸۵۸ء سے ۱۸۷۰ء تک اس مسجد کے امام وخطیب "محمد اصغر" تھے، ۱۸۷۰ء تا ۱۹۰۰ء کی درمیانی مدت میں مولوی "عبدالرشید" نے امامت کے فرائض انجام دیئے، ۱۹۰۱ء سے ۱۹۳۰ء کے عرصہ میں یہ خدمت مولوی عبدالقادر کے سپرد رہی، اور ۱۹۳۰ء سے ۱۹۴۹ء میں مسجد کے قرق ہونے کی تاریخ تک مولوی عبدالغفار کی اقتداء میں مسلمان اس مسجد میں نماز پنج وقتہ اور جمعہ ادا کرتے تھے۔

بابری مسجد کے مصارف کے واسطے عہد مغلیہ میں مبلغ ساٹھ روپے سالانہ شاہی خزانے سے ملتے تھے، نوابان اودھ کے دور میں یہ رقم بڑھا کر تین سو دو روپے تین آنہ چھ پائی کردی گئی تھی، برطانوی اقتدار میں بھی یہ رقم بحال رہی، پھر بندوبست اول کے وقت نقد کی بجائے دو گاؤں بھورن پور اور شولا پور متصل اجودھیا اس کے مصارف کے لئے دیئے گئے، غرض کہ اپنی ابتداء تعمیر ۹۳۵ھ (مطابق ۱۵۲۸ء) سے ۱۳۶۹ھ (۱۹۴۹ء) تک یہ مسجد بغیر کسی نزاع و اختلاف کے مسجد ہی کی حیثیت سے مسلمانوں کی ایک مقدس ومحترم عبادت گاہ رہی اور مسلمان امن وسکون کے ساتھ اس میں اپنی مذہبی عبادت ادا کرتے تھے۔

مسجد، مندر قضیہ کا آغاز

مستند تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ بابری مسجد کی تعمیر سے صدیوں پہلے مسلمان اجودھیا میں آباد تھے، اور یہاں کے ہندو مسلم پوری یک جہتی اور یگانگت کے ساتھ رہتے سہتے تھے، ۱۸۵۵ء (۱۲۷۲ھ) سے پہلے کسی مذہبی معاملہ میں یہاں کے باشندوں کے درمیان کوئی تنازعہ رونما ہوا، یا باہمی ٹکراؤ کی نوبت آئی ہو صحیح تاریخوں اور مذہبی نوشتوں سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، لیکن جب اس ملک پر انگریزوں کا منحوس سایہ پڑا اور ان کا یہاں عمل دخل شروع ہوا تو انھوں نے اپنی بدنام زمانہ پالیسی "لڑاؤ اور حکومت کرو" کے تحت یہاں کے لوگوں میں باہمی منافرت اور تصادم پیدا کرنے کی غرض سے مسجد، مندر، جنم استھان وغیرہ کا خود ساختہ قضیہ چھیڑ دیا جس کے نتیجہ میں ۱۸۵۵ء (۱۲۷۲ھ) میں اجودھیا کے اندر زبردست خونریزی ہوئی، جس کی تفصیل احقر کی تالیف "اجودھیا کے اسلامی آثار" میں ملاحظہ کی جائے، اسی وقت سے اختلاف کی خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی گئی، اور نوبت بایں جا رسید کہ شاطر انگریزوں نے سب سے پہلے "جنم استھان" اور "سیتا کی رسوئی" کا افسانہ ترتیب دیا اور ایک بدھسٹ نجومی کو پہلے سے سکھا پڑھا کر ان دونوں مقامات کی جگہ معلوم کی، اس نے طے شدہ سازش کے مطابق زائچہ کھینچ کر بتادیا کہ "جنم استھان" اور "سیتا کی رسوئی" بابری مسجد سے متصل احاطہ کے اندر ہے، پھر اپنے زیر اثر ہندوؤں کو اکسایا کہ ان دونوں "پوتر استھانوں" کو حاصل کرنے کی کوشش کریں، "نقی علی خاں" جو نواب واجد علی کا خسر اور وزیر تھا، انگریزوں کی اس سازش میں ان کا حامی اور طرف دار تھا، اس نے اپنے اثر ورسوخ کے ذریعہ ناعاقبت اندیش نواب کو اس بات پر راضی کرلیا کہ بابری مسجد سے باہر مگر اس کے احاطہ کے اندر جنم استھان وسیتا رسوئی کے لئے جگہ دیدی جائے، چنانچہ مسجد کے مسقّف حصہ کے بالمقابل احاطہ مسجد کی دیوار سے متصل داہنی سمت "سیتا رسوئی" کے لئے اور صحن مسجد سے باہر بائیں پورب کی جانب جنم استھان کے نام سے ۲۱/فٹ لمبی اور ۱۷/فٹ چوڑی جگہ دیدی گئی، جس پر اسی وقت سے پوجا پاٹ کا سلسلہ بھی شروع کردیا گیا، حالانکہ جس وقت یہ افسانہ ایجاد کیا گیا اس سے برسہا برس پہلے سے قلب شہر میں جنم استھان کا مندر موجود تھا اور آج بھی موجود ہے، اس وقت مسجد اور جنم استھان کے درمیان حد فاصل قائم کرنے کی غرض سے صحن مسجد کے اردگرد آہنی سلاخوں کی باڑھ کھڑی کردی گئی، اسی منحوس تاریخ سے اجودھیا میں مذہبی کش مکش شروع ہوگئی اور یہاں کے ہندو مسلم، مندر مسجد کے نام پر آپس میں دست بگریباں ہوگئے۔

خدا سمجھے بت سحر آفریں سے ☆☆☆ گریباں کو لڑایا آستیں سے

۱۸۵۷ء میں جب کہ ہندوستان کے مسلمانوں اور ہندوؤں نے متحد ہوکر بہادر شاہ ظفر کی قیادت میں انگریزوں کے خلاف جنگ آزادی کا بگل بجایا، ضلع فیض آباد کے گزیٹر سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت باہمی اتفاق ویگانگت کو مستحکم کرنے کی غرض سے اجودھیا کے مسلم رہنما امیر علی اور ہندو رہنما بابا چرن داس نے رام جنم استھان اور بابری مسجد کے تنازعہ کو ہمیشہ کے واسطے ختم کرنے کی غرض سے ایک معاہدہ کیا کہ رام جنم استھان کی مخصوص متنازعہ اراضی ہندوؤں کے حوالہ کردی جائے اور ہندو بابری مسجد کی عمارت سے دست کش ہوجائیں، چنانچہ اس معاہدہ پر فریقین خوشی خوشی راضی ہوگئے اور دو سال سے اختلاف کی جو آگ بھڑک رہی تھی وہ ٹھنڈی ہوگئی، مگر انگریزوں کو یہ ہندو مسلم اتحاد گوارہ نہ ہوا، انھوں نے بابا رام چرن داس اور امیر علی دونوں کو ایک ساتھ املی کے پیڑ پر لٹکا کر پھانسی دیدی اور مندر مسجد کے نزاع کو از سر نو زندہ کرنے کی غرض سے متنازعہ رام جنم استھان اور بابری مسجد کے درمیان ایک دیوار کھینچ دی، دونوں کے راستے بھی الگ الگ بنادیئے اور مسجد کے شمالی دروازہ سے مسجد میں داخلہ پر پابندی عائد کردی، اور جذباتی ہندوؤں کو اکسایا کہ وہ اس تقسیم کو مسترد کرکے پوری مسجد پر دعویٰ کریں، اسی کے ساتھ مسلمانوں کو بھی برانگیختہ کیا کہ وہ مسجد کی اراضی کے اس بٹوارہ کو تسلیم نہ کریں چنانچہ یہ کشاکش پھر شروع ہوگئی جس کا ایک طویل سلسلہ ہے، تفصیل کے لئے "اجودھیا کے اسلامی آثار" کا مطالعہ کیجئے۔

مسجد کو مندر بنانے کی شرمناک سازش

۱۹۴۸ء۔۱۹۴۹ء میں جب کہ ملک فرقہ وارانہ تشدّد کی آگ میں جل رہا تھا، اور پورے ہندوستان میں افراتفری مچی ہوئی تھی ۲۲۔۲۳/دسمبر ۱۹۴۹ء کی درمیانی رات میں ہنومان گڑھی کے مہنت "ابھے رام داس" نے اپنے کچھ چیلوں کے ساتھ مسجد میں گھس کر عین محراب کے اندر ایک مورتی رکھ دی جس کے خلاف اس وقت ڈیوٹی پر مقرر کانسٹبل "ماتو پرشاد" نے صبح کو تھانہ میں حسب ذیل رپورٹ درج کرائی۔

"ابھے رام داس، سدرشن داس اور پچاس ساٹھ نامعلوم لوگوں نے مسجد کے اندر مورتی استھاپت (نصب) کرکے مسجد کو ناپاک کردیا ہے۔ جس سے نقص امن کا خطرہ پیدا ہوگیا ہے۔"

اس رپورٹ کو بنیاد بنا کر فیض آباد کے سٹی مجسٹریٹ نے دفعہ ۱۴۵/ کے تحت مسجد اور اس سے ملحق گنج شہیداں کو قرق کرکے مقفل کردیا اور پریہ دت رام چیرمین کو اس کی حفاظت کے لئے رسیور مقرر کردیا، نیز فریقین کے نام نوٹس جاری کیا کہ اپنے اپنے دعویٰ پر ثبوت پیش کریں، سٹی مجسٹریٹ کا یہ غیر منصفانہ عمل زبان حال سے بتارہا ہے کہ مسجد میں بت رکھنے کی کارروائی گہری سازش کے تحت عمل میں لائی گئی تھی، ورنہ ایک قدیم جمعہ وجماعت سے آباد مسجد کے بارے میں ثبوت طلب کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ سیدھی بات یہ تھی کہ ماتو پرشاد کانسٹبل کی رپورٹ کے مطابق مجرمین کو قرار واقعی سزا دی جاتی اور مسجد سے مورتی نکال کر اس مسئلہ کو ختم کردیا جاتا، مگر حیرت ہے کہ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ اور مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ نے آنجہانی پنڈت جواہر لال نہرو کو اس سنگین معاملہ پر توجہ دلائی اور انھوں نے یوپی کے وزیر اعلیٰ گووند بلبھ پنت کو لکھا کہ اس مسئلہ کو فی الفور حل کریں، پھر بھی اس سلسلے میں کوئی مثبت کارروائی نہیں کی گئی، اور مذہبی جانبداری واقتدار سیکولرزم اور قانون و انصاف پر غالب رہا، گویا ملک کی جنگ آزادی میں مسلمانوں کی قربانیوں کا اولین صلہ آزاد ہونے کے بعد یہ دیا گیا کہ ان کی قدیم متبرک عبادت گاہ میں مورتیاں رکھ دی گئیں اور اس کے منبر ومحراب جو اب تک رکوع وسجود سے آباد تھے مقفل کردیئے گئے۔

دیکھیں اس آغاز کا ہوتا ہے کیا انجام کار

اس حادثہ کے وقت مولانا آزاد نے کہا تھا کہ "میرے ذہن میں یہ سوال گونج رہا ہے کہ مستقبل میں مسلمانوں کو ایک ملت کی حیثیت سے قبول کیا جائے گا یا نہیں، اگر اس کا جواب اثبات میں ملتا ہے، تو بابری مسجد سے بت ہٹا دیئے جائیں گے، اور اگر آئندہ چل کر اس کی نفی ہوتی ہے تو انتظار کیجئے دوسری مسجدوں میں بھی اس طرح کے حادثات پیش آسکتے ہیں۔" آج کے واقعات سے مولانا آزاد کے خدشات صحیح ثابت ہورہے ہیں۔ اس حادثہ کے بعد ۱۶/جنوری ۱۹۵۰ء کو گوپال سنگھ نامی ایک شخص نے ظہور احمد، حاجی محمد فائق، حاجی پھیکو، احمد حسن عرف اچھن، محمد سمیع، ڈی، ایم سٹی مجسٹریٹ اور سرکار اتر پردیش کو پارٹی بنا کر یہ دعویٰ دائر کردیا کہ مسجد جنم استھان ہے، ہم یہاں پوجا پاٹ کرتے ہیں مگر مسلمان اور ضلع حکام اس میں رکاوٹ ڈالتے ہیں، لہٰذا اس رکاوٹ کو ختم کرکے ہندوؤں کو اس میں پوجا پاٹ کی باضابطہ اجازت دی جائے، اس مقدمہ کے دائر ہونے کے تیسرے دن یعنی ۱۹/جنوری ۱۹۵۰ء کو عدالت نے ایک حکم امتناعی کے ذریعہ ہندو ومسلمان دونوں کا داخلہ مسجد میں ممنوع قرار دے دیا پھر ۱۳/مارچ ۱۹۵۱ء میں عدالت نے پجاری کو مسجد کے اندر جاکر پوجا اور بھوگ کرنے کی اجازت دیدی، مگر مسلمان اپنی عبادت گاہ میں خدائے وحدہ لاشریک لہ کا نام لینے سے محروم رہے۔ (بقیہ صفحہ ۷/پر)

بقیہ بابری مسجد تاریخ کے مختلف مراحل میں

تاریخ شاہد ہے کہ جب ظلم و ناانصافی کو طاقت وحکومت کی پشت پناہی حاصل ہوجاتی ہے تو آئین و قانون اور عدالت سب اس کے آگے سربسجود ہوجاتے ہیں۔ دعوی مذکورہ کی جواب دہی کرتے ہوئے فیض آباد کے ایس پی کرنا سنگھ نے یکم جون ۱۹۵۰ء کو جو جواب دعویٰ عدالت میں داخل کیا اس میں لکھا تھا کہ ’’زمانہ قدیم سے بابری مسجد ہے اس میں مسلمان ہمیشہ سے نماز پڑھتے چلے آرہے ہیں ہندوؤں کا اس سے کوئی واسطہ اور سروکار نہیں ہے۔‘‘ ڈپٹی کمشنر فیض آباد نے اسی مقدمہ سے متعلق یکم جولائی ۱۹۵۰ء کو جو حلف نامہ داخل کیا تھا اس میں بھی ’’بابری مسجد‘‘ کی مسجدیت کا اعتراف واقرار موجود ہے، مذکورہ بالا مقدمہ کے علاوہ ۱۹۶۱ء میں دو مزید مقدمات دائر کئے گئے ایک رام چندر داس کی جانب سے اور دوسرا نرموہی اکھاڑہ کی طرف سے، جس کے جواب میں جمعیۃ علماء ہند اور یوپی سنی سنٹرل وقف بورڈ کی جانب سے بھی مقدمات قائم کئے گئے جن میں کہا گیا تھا کہ یہ بابری مسجد مسلمانوں کی مسجد ہے جس میں وہ ۱۵۲۸ء سے برابر عبادت کرتے رہے ہیں لہٰذا یہ مسجد انھیں واپس دی جائے اور نماز وغیرہ میں کسی قسم کی مداخلت نہ کی جائے۔

تقریباً ۳۵؍سال کے طویل عرصہ تک یہ مقدمات عدالت میں معطل پڑے رہے، ان سے متعلق کوئی مؤثر کارروائی نہیں کی گئی، اس دوران پولیس اور رسیور کی نگرانی کے باوجود مسجد کے اندر اور باہر خلاف قانون بہت سی تبدیلیاں کردی گئیں، مثلاً مسجد کے صدر دروازہ پر جلی حرفوں میں ’’اللہ‘‘ کندہ تھا جسے کھرچ دیا گیا، دروازہ پر جنم استھان مندر کا بورڈ لگادیا گیا، احاطہ کی شمالی چہار دیواری اور مسجد کی درمیانی جگہ میں سفید وسیاہ سنگ مرمر کا فرش بنایا گیا جسے پری کرما کا نام دیا گیا، صحن مسجد میں اتر جانب ایک ہینڈ پائپ نصب کرلیا گیا، مسجد سے باہر پورب سمت ایک سفالہ پوش مندر اور مندر کے پجاری کے لئے ایک کمرہ تعمیر کرلیا گیا دکھن جانب نام نہاد جنم استھان کے چبوترہ پر بھی ایک مندر بنالیا گیا اور مسجد کے درمیانی گنبد پر ایک بھگوا جھنڈا لگادیا گیا یہ ساری تبدیلیاں ۱۹۶۷ء اور ۱۹۸۶ء کے درمیانی عرصہ میں کی گئیں مگر رسیور، انتظامیہ اور عدالت کی پیشانی پر شکن تک نہ آئی، بلکہ عدالت نے اقتدار کے دباؤ میں مسجد کے اندر مورتی پوجا کی غیر منصفانہ اجازت دیدی۔ مسلمانوں کو کسی حد تک اطمینان تھا کہ مسجد مقفل ہے اور ہائی کورٹ میں اس کے مقدمات کی سماعت ہورہی ہے، عدلیہ اس بارے میں جو فیصلہ کرے گی اسے تسلیم کرلیا جائے گا، کیونکہ عدلیہ پر ان کا اعتماد ابھی مجروح نہیں ہوا تھا، اسی پر امن ماحول میں ۲۵؍جنوری ۱۹۸۶ء کو ’’رمیش پانڈے‘‘ نام کے ایک غیر متعلق شخص نے جو بابری مسجد سے متعلق کسی بھی مقدمہ میں فریق نہیں تھا صدر منصف فیض آباد کی عدالت میں یہ درخواست گذاری کہ ’’جنم استھان میں پوجا پاٹ کی اجازت ہونی چاہئے اس لئے عدالت ضلع انتظامیہ کو حکم دے کہ جنم بھومی بابری مسجد کا تالا کھول دے تاکہ میں اور دوسرے ہندو بغیر کسی رکاوٹ کے پوجا کرسکیں۔‘‘ صدر منصف نے یہ کہہ کر درخواست مسترد کردی کہ ’’اس مقدمہ کی رہنما فائل ہائی کورٹ میں زیر سماعت ہے اس لئے اس درخواست پر کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔‘‘ منصف کے اس فیصلہ کے خلاف مسٹر کے ایم پانڈے ڈسٹرکٹ جج کی عدالت میں ۳۰؍جنوری ۱۹۸۶ء کو اپیل دائر کی گئی۔ ڈسٹرکٹ جج نے یکم فروری ۱۹۸۶ء کو پونے بارہ بجے یہ یکطرفہ فیصلہ سنادیا کہ ’’ضلع انتظامیہ تالا کھول دے اور رمیش پانڈے ودیگر پجاریوں کو پوجا پاٹ کی عام اجازت دی جائے، اس میں کسی قسم کی رکاوٹ نہ ڈالی جائے، نیز ضلع انتظامیہ لاء اینڈ آرڈر بحال رکھنے کے لئے مناسب کارروائی عمل میں لائے۔‘‘ اس غیر عادلانہ فیصلے کے بعد بغیر کسی تاخیر کے ۵؍بجکر ۱۹؍منٹ پر بابری مسجد کا تالا کھول دیا گیا جو ۱۹۵۰ء میں حکم امتناعی کے نفاذ میں لگایا گیا تھا اور ہزاروں ہندو جو وہاں جمع کئے گئے تھے پوجا پاٹ کے لئے مسجد میں داخل ہوگئے، تالا کھولنے کی اس شرمناک تقریب کو ہمارے سیکولر ملک کے نشریاتی ادارہ ’’دوردرشن‘‘ نے بڑے اہتمام سے نشر کیا تاکہ مسلمانوں کے زخمی دلوں پر اچھی طرح سے نمک پاشی ہوجائے، علاوہ ازیں پورے ملک میں اس کا جشن منایا گیا اور یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی کہ مسلمانوں کو شکست دیدی گئی، اس کھلی ہوئی بے انصافی پر مسلمانوں کی طرف سے احتجاج کیا گیا تو رائفل کی گولیوں سے احتجاج کرنے والوں کو ہمیشہ کے لئے خاموش کردیا گیا، خاص طور پر بارہ بنکی، بنارس، بنگلور وغیرہ شہروں میں سرکاری پولیس نے مسلمانوں کے خلاف دردناک بہیمیت کا برتاؤ کیا، بعد میں یہ بات عام طور پر مشہور ہوگئی کہ سیکولرزم کی علمبردار کانگریس حکومت کے وزیر اعلیٰ اتر پردیش اور ایک مرکزی وزیر کے اشارے پر تالا کھولا گیا تھا، آئندہ کے واقعات ومشاہدات نے واضح کردیا کہ یہ شہرت بے بنیاد نہیں تھی۔ واقعہ بھی یہی ہے کہ بغیر مضبوط سیاسی پشت پناہی کے عدالت کو اس طرح سے قانون وانصاف کی دھجیاں اڑانے کی جرأت نہیں ہوسکتی تھی۔

مسجد کو مسمار کرکے اسکی جگہ پر رام مندر بنانے کا مجرمانہ اعلان و سرگرمیاں

مسجد میں عام پوجا پاٹ کی اجازت حاصل ہوجانے سے ہندو احیاء پرستوں کے حوصلے بلند ہوگئے اور اب ایک قدم آگے بڑھا کر مسجد کو منہدم کرکے اس کی جگہ نیا مندر بنانے کی تشدد آمیز جدوجہد شروع کردی گئی، حکومتوں کے تجاہل اور دورخی پالیسی کی بنا پر انھیں مزید حوصلہ ملا، چنانچہ وشو ہندو پریشد کے سربراہ سنگھل نے دھمکی کی زبان میں یہ کھلا اعلان کیا کہ ۹؍نومبر ۱۹۸۹ء کو مندر کا شیلا نیاس (سنگِ بنیاد) ہوگا، اور ملک کی کسی سیاسی پارٹی کی یہ ہمت نہیں ہے کہ ہمارے اس پروگرام کو روک دے، عام ہندوؤں کو ہم نوا بنانے کی غرض سے پروگرام یوں ترتیب دیا گیا کہ ۳۰؍ستمبر ۱۹۸۹ء سے ملک گیر شیلا پوجن مہم شروع کی جائے جس کے تحت ملک بھر کے پانچ لاکھ پچھتّر ہزار گاؤں میں ایک ایک شیلا (اینٹ) بھیج کر اس کا پوجن کرایا جائے اور دیواستھان اکادشی (۹؍نومبر) کے دن یہ ساری اینٹیں اجودھیا پہنچادی جائیں اور اسی دن رام مندر کا شیلا نیاس کیا جائے، وشو ہندو پریشد وغیرہ جارحیت پسند تنظیمیں اپنے سربراہ کے اعلان کے مطابق شیلا پوجن کے نام پر گاؤں گاؤں گھوم کر نفرت وتشدد کا زہر پھیلاتی رہیں اور ہماری سیکولر حکومتیں اپنی خاموشی سے ان کا تعاون کرتی رہیں تا آنکہ کانگریسی حکومت کے وزیر داخلہ نے متعینہ تاریخ یعنی ۹؍نومبر کو وشو ہندو پریشد کے ہاتھوں متنازعہ اراضی پر شیلا نیاس کی اجازت دے کر مسلمانوں کو آگاہ کردیا کہ بابری مسجد کے انہدام اور مندر کی تعمیر کا وقت قریب آگیا ہے، وزیر داخلہ نے اس سلسلہ میں حیرت ناک حد تک گمراہ کن رویہ اختیار کیا، ایک طرف تو وہ اعلان کرتے رہے کہ متنازعہ جگہ پر شیلا نیاس کی اجازت نہیں دی جائے گی اور دوسری طرف اندر اندر وشو ہندو پریشد سے ساز باز بھی کرتے رہے، حکومت کی اس منافقانہ پالیسی نے فرقہ پرست تنظیموں کو اس قدر جری بنادیا کہ ۲۳؍جون ۱۹۹۰ء کو ہری دوار میں ہندو مذہبی لیڈروں نے ایک قدم اور آگے بڑھ کر طے کیا کہ اگست سے اکتوبر تک پورے ملک میں جگہ جگہ جلوس نکالے جائیں، گاؤں گاؤں سے مندر کی تعمیر کے لئے والنٹیر جمع کئے جائیں، اور ۳۰؍اکتوبر کو مسجد کی جگہ پر رام مندر کی تعمیر کا کام شروع کردیا جائے، اس فیصلہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے آر، ایس ایس، بی، جے، پی، وشو ہندو پریشد، بجرنگ دل اور ان کی ہم نوا تمام فرقہ پرست پارٹیاں میدان میں نکل پڑیں، بھارتیہ جنتا پارٹی کے صدر لال کرشن اڈوانی نے سومناتھ سے اجودھیا تک کی رتھ یاترا شروع کی، اس رتھ یاترا میں انتہائی اشتعال انگیز اور دل خراش تقریریں کی گئیں، جس کے نتیجہ میں بڑودہ، بنگلور، کرناٹک، مدھیہ پردیش اور یوپی کے بعض اضلاع میں فساد کی آگ بھڑک اٹھی، لیکن حکومت وقت جس کی اولین و اہم ترین ذمہ داری اپنے شہریوں کی جان ومال اور آبرو کی حفاظت ہے خود اپنی حفاظت کے بندوبست اور اپنی جان بچانے کی فکر میں مصروف رہی اور جارحیت کا عفریت ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک گھوم کر آگ و خون کا طوفان برپا کرتا رہا بہرحال اعلان کے مطابق بھاری تعداد میں کارسیوک ۳۰؍اکتوبر ۱۹۹۰ء کو اجودھیا پہنچ گئے، اور بابری مسجد کو مسمار کرنے کی اپنی جیسی کوششیں بھی کیں، حتی کہ مسجد کے گنبدوں اور دیواروں کو مجروح بھی کردیا، مگر وزیر اعلیٰ یوپی کے سخت رویہ کی وجہ سے انھیں اپنے مقصد میں کامیابی حاصل نہ ہوسکی حقیقت یہ ہے کہ اس موقع پر وزیر اعلیٰ ملائم سنگھ یادو نے قابل تعریف ہمت وجرأت کا ثبوت دیا اور اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر نہ صرف بابری مسجد کو بچالیا بلکہ سیکولر اور جمہوری قدروں کی آبرو رکھ لی، رام بھگت اور کارسیوک کے نام سے اجودھیا میں اکٹھا بلوائی جب بابری مسجد کے انہدام میں ناکام ہوگئے تو انھوں نے اپنا غصہ مسلمانوں پر اتارا، اور پی اے سی کے تعاون سے ملک گیر فساد برپا کردیا جس میں سینکڑوں مسلمان شہید کئے گئے اور ان کی کروڑوں کی جائیدادیں لوٹ لی گئیں، یا نذر آتش کردی گئیں، وی، پی سنگھ جنھوں نے بھاجپا کے اشتراک سے حکومت بنائی تھی اپنے اقتدار کو بچانے کی غرض سے منافقانہ پالیسی پر عمل پیرا رہے، لیکن ان کا یہ بزدلانہ رویہ ان کی کرسیٔ اقتدار کو نہ بچاسکا، نفرت کی آگ نے ملک کے امن کے ساتھ اسے بھی بھسم کردیا۔ وی، پی سنگھ سرکار کے خاتمہ کے بعد چندر سیکھر نے زمام اقتدار سنبھالی انھوں نے اپنے عہد حکومت میں یہ کام کیا کہ وشو ہندو پریشد اور اس کی حلیف پارٹیوں کو (جنھوں نے روز اول سے تشدد کی راہ اختیار کرکے نہ صرف مصالحانہ گفت وشنید کا دروازہ بند کررکھا تھا بلکہ عدالت کے فیصلہ کو تسلیم کرنے کے لئے بھی تیار نہیں تھیں) بات چیت پر راضی کرلیا، چنانچہ ان کے اور ایکشن کمیٹی بابری مسجد کے لیڈروں کے درمیان براہ راست گفتگو کا سلسلہ شروع ہوا، فریقین نے اپنے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں تحریری دلائل بھی فراہم کئے، گفتگو کا یہ سلسلہ ابھی ختم نہیں ہوا تھا کہ چندر سیکھر حکومت ہی ختم ہوگئی، بالآخر ملک میں الیکشن ہوا جس کے نتیجہ میں کلیان سنگھ کی زیر سرکردگی یوپی میں بھاجپا کی حکومت قائم ہوئی اور مرکز میں کانگریس نے سیکولرزم کی علامت نرسمہا راؤ کی قیادت میں حکومت بنائی۔

بابری مسجد کی المناک شہادت

بھارتیہ جنتا پارٹی اپنی فرقہ پرست ذہنیت کی بنا پر ہمیشہ ہی سے بابری مسجد کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتی تھی اور اسے غلامی کی علامت قرار دیتی تھی، اب ریاست میں اس کی حکومت تھی اس لئے وہ اس مسجد کو کیونکر برداشت کرسکتی تھی، چنانچہ بھاجپائی وزیر اعلیٰ کلیان سنگھ نے وزارت سازی کے بعد جو اولین کام کیا وہ یہ تھا کہ اپنے وزیروں کو ساتھ لے کر اجودھیا آئے اور بابری مسجد میں نصب مورتی کے پاس کھڑے ہوکر یہ عہد کیا کہ ’’رام للاّ ہم آئیں گے مندر یہیں بنائیں گے‘‘ اس عہد وپیمان کے بعد کلیان سنگھ حکومت نے قانون وانصاف کو نظر انداز کرکے رام مندر کی راہ میں حائل رکاوٹیں دور کرنے کی مہم شروع کردی، بابری مسجد سے ملحق موقوفہ متنازعہ اراضی کو اپنی تحویل میں لے لیا، پھر اسے وشو ہندو پرشید کے حوالہ کردیا، جس پر مستحکم بنیادوں کے ساتھ پختہ چبوترہ کی تعمیر کا کام نہایت زور وشور کے ساتھ جاری ہوگیا، جبکہ ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے احکامات تھے کہ متنازعہ جگہ پر کسی قسم کی تعمیر نہ کی جائے، توہین عدالت کا ارتکاب کرتے ہوئے تعمیر ہوتی رہی اور مسلم لیڈران اس غیر قانونی اقدام پر مرکزی سرکار سے احتجاج کرتے رہے، لیکن مرکزی حکومت نے اس وقت تک کوئی مؤثر حرکت نہیں کی جب تک کہ وشو ہندو پریشد نے اپنے منصوبہ کی تکمیل نہ کرلی۔ چبوترہ کی تعمیر کے بعد وزیر اعظم نے فریقین کے درمیان ازسرنو مذاکرات کا سلسلہ شروع کرایا، جس کے دو دور حکومت کے ترجمان کے بقول اطمینان بخش اور امید افزا رہے، تیسرے دور کا آغاز ہونے والا ہی تھا کہ اچانک حیرتناک انداز میں وشو ہندو پریشد نے یکطرفہ اعلان کردیا کہ ۶؍دسمبر ۱۹۹۲ء کو کارسیوا ہوگی، ظاہر ہے کہ اس اعلان کے بعد گفت وشنید کی کیا گنجائش تھی، اس لئے یہ سلسلہ ختم ہوگیا، کارسیوا کے اعلان ہوتے ہی ساری فرقہ پرست تنظیمیں حرکت میں آگئیں۔ بھاجپا کے سابق صدر اڈوانی اور جوشی یاترا پر نکل پڑے، تخریب کار عناصر کارسیوک کے نام پر اجودھیا میں جمع ہونے لگے اور دیکھتے دیکھتے سارے ملک کا ماحول کشیدہ وسراسیمہ ہوگیا۔ یوپی کے وزیر اعلیٰ کلیان سنگھ نے عدالت اور مرکزی حکومت کو حلفیہ اطمینان دلایا کہ کارسیوا صرف علامتی ہوگی، عدالت اور مرکزی حکومت کے حکم کی سرموخلاف ورزی نہیں ہوگی، مرکزی وزیر داخلہ قوم کو اطمینان دلاتے رہے کہ بابری مسجد کی حفاظت کا پورا منصوبہ مرتب کرلیا گیا ہے، سیکولر نواز وزیر اعظم ہند بھی اعلان پر اعلان کرتے رہے کہ بابری مسجد کی حفاظت حکومت کی ذمہ داری ہے، مرکز سے اچھی خاصی تعداد میں فوج بھی اجودھیا پہنچ گئی مگر اسے نامعلوم مصالح کی بنیاد پر بابری مسجد سے دو ڈھائی کلومیٹر دور رکھا گیا، صوبہ اور مرکز کے نیم فوجی دستے مسجد کی حفاظت کے لئے اس کے چاروں سمت میں متعین کئے گئے مگر انھیں وزیر اعظم کی سخت ہدایت تھی کہ رام بھگتوں پر کسی حال میں بھی گولی نہ چلائی جائے۔ بہرحال ان سارے اعلانات وانتظامات کے سائے میں ۶؍دسمبر کی وحشتناک تاریخ آگئی، اڈوانی، سنگھل، ونے کٹیار، اوما بھارتی وغیرہ دو لاکھ کارسیوکوں کی فوج لئے اجودھیا کے میدان میں پہلے ہی سے موجود تھے، ان لیڈروں کی رہنمائی میں کارسیوا شروع ہوئی اور تشدد پر آمادہ تربیت یافتہ کارسیوکوں نے گیارہ بج کر پچپن منٹ پر بابری مسجد پر دھاوا بول دیا اور بغیر کسی مزاحمت کے پورے اطمینان سے چار بجے تک اسے توڑتے اور ملبہ کو دور پھینکتے رہے یہاں تک کہ صفحۂ زمین سے بابری مسجد کا نام ونشان ختم کردیا گیا۔ وزیر داخلہ اور وزیر اعظم کو ایک ایک منٹ کی خبر پہنچتی رہی مگر نہ مسجد کی حفاظت کا مرتبہ منصوبہ روبہ عمل آیا اور نہ ہی اس کی حفاظت کی ذمہ داری کا فریضہ ادا کیا گیا، اس طرح ۲۲-۲۳؍دسمبر ۱۹۴۹ء کو بابری مسجد کے خلاف جو تحریک شروع کی گئی تھی، ۶؍دسمبر ۱۹۹۲ء کو سیکولرزم وجمہوریت کے زیر سایہ تکمیل کو پہنچ گئی۔ (بقیہ صفحہ ۸؍پر)

بقیہ بابری مسجد تاریخ کے مختلف مراحل میں

وزیراعلیٰ کلیان سنگھ کا منصوبہ چونکہ پورا ہو چکا تھا اس لئے وہ حکومت سے دست بردار ہو گئے، نظم ونسق کی ذمہ داری مرکز کے سر آ گئی، صدر راج کا نفاذ ہو گیا، اس کے باوجود تقریباً ۳۸ر گھنٹے تک اجودھیا مکمل طور پر کارسیوکوں کے تصرف میں رہا جنھوں نے اجودھیا کی دیگر بہت ساری مسجدوں کو بھی بالکل مسمار کردیا، یا توڑ پھوڑ کرا اپنے خیال میں ناقابل استعمال بنادیا، اور اجودھیا میں آباد مسلم گھرانوں کو تہس نہس کر ڈالا، اسی وقفہ میں بابری مسجد کی جگہ پر ایک گھروندا بنا کر مورتی نصب کردی جس کی پوجا پاٹ بھی شروع کردی گئی، رام بھگت جب اپنی رام بھگتی کے سارے کاموں سے باطمینان فارغ ہو گئے تو مرکزی سرکار کے انتظام میں سرکاری سواریوں کے ذریعہ باعزت طور پر انھیں ان کے ٹھکانوں تک پہنچا دیا گیا۔ مسلمانوں کے مذہبی ناموس پر یہ ایسا حملہ تھا جس کی کربناکی سے بے چین اور مضطرب ہو کر وہ چیخ اٹھے تو مظلوموں کی یہ بیتابانہ آہ بھی ہماری سیکولر حکومتوں کو گوارہ نہیں ہوئی، جس کی سزا میں ہزاروں مسلمانوں کو خون کی موجوں اور آگ کی لہروں میں غرق کردیا گیا، آج وہ کون سی ریاست ہے جو مظلوم مسلمانوں کے خون سے لہولہان نہیں ہے، وہ کون سا شہر ہے جس کی فضا یتیموں کی گریہ وزاری، بیواؤں کے نالہ وشیون اور غمزدہ ماؤں کی آہ سرد سے کربناک نہیں ہے، جمہوریت اور سیکولرزم کے دعویدار ملک اور ایک سیکولر پارٹی کی حکومت میں اس جماعت پر یہ انسانیت سوز مظالم جس نے ملک کی آزادی میں بےلوث قربانیاں دی ہیں کس قدر شرمناک بات ہے، آخر مسلمان اس ملک کی قربان گاہ پر کب تک بھینٹ چڑھتا رہے گا۔

تجھ کو کتنوں کا لہو چاہئے اے ارض وطن　　جو ترے عارض بے رنگ کو گلنار کریں
کتنی آہوں سے کلیجہ ترا ٹھنڈا ہوگا　　کتنے آنسو ترے صحراؤں کو گلزار کریں

سب کچھ لٹ جانے کے بعد وزیر داخلہ ہند صاحب بیان دیتے ہیں کہ مسلمانوں کی پوری حفاظت کی جائے گی اور انھیں مکمل انصاف ملے گا، وزیراعظم نے بھی اعلان کیا کہ بابری مسجد دوبارہ تعمیر کرائی جائے گی، مگر اس اعلان پر ایک ہفتہ بھی نہیں گذرا تھا کہ بمبئی میں مسلمانوں پر شیوسینا کے خونخوار درندے ٹوٹ پڑے، سیکڑوں مسلمان ان کے ہاتھوں ہلاک ہو گئے، اربوں کھربوں کی ان کی املاک لوٹ لی گئیں یا نذرِ آتش کردی گئیں، شیوسینا کے یہ درندے عروس البلاد میں درندگی مچاتے گھومتے رہے اور ہماری حکومت دم سادھے بیٹھی رہی، جب مسلمانوں کا خون پیتے پیتے ان درندوں کا جی بھر گیا تب جاکر بہیمیت کا یہ رقص ختم ہوا، رہا بابری مسجد کی تعمیر کا مسئلہ، تو جو حکومت قدیم عمارت کی حفاظت نہ کرسکی اس سے جدید تعمیر کی توقع رکھنی خود اپنے آپ کو دھوکہ دینا ہے۔ اس وقت تو حکومت تذبذب کا شکار ہے ایک طرف قانون و انصاف کے تقاضے ہیں تو دوسری طرف ووٹ اور کرسیٔ اقتدار کا مسئلہ ہے، اس لئے گھبراہٹ میں کبھی آرڈی ننس کا سہارا لے رہی ہے تو کبھی عدالت کی پناہ تلاش کرتی ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے نینی سنٹرل جیل میں بغاوت کے مقدمہ میں اپنا جو تحریری بیان دیا تھا اس کے درج ذیل اقتباس کو تاریخ کے حوالہ کے بغیر پڑھئے، اس کی ایک ایک سطر میں حالات حاضرہ کی عکاسی نظر آئے گی، مولانا آزاد اپنے بیان کے ایک پیراگراف میں لکھتے ہیں: ''یہ پریشانی گورنمنٹ کو خود اسی کی منافقانہ روش کی وجہ سے پیش آرہی ہے ایک طرف وہ چاہتی ہے کہ شخصی حکمرانوں کی طرح بے دریغ جبر وتشدد کرے، دوسری طرف چاہتی ہے کہ نمائش قانون وعدالت کی آڑ بھی قائم رہے، یہ دونوں باتیں متضاد ہیں، ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتیں، نتیجہ یہ ہے کہ اس کی پریشانی ودرماندگی روز بروز بڑھتی جارہی ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے کہ آدمی اپنے تمام کپڑے اتار ڈالے اس لئے کہ شریف آدمی آنکھیں بند کرلیں گے، شریف آدمیوں نے سچ مچ آنکھیں بند کرلی ہیں، لیکن دنیا کی آنکھیں بند نہیں ہیں، فی الحقیقت ''لا'' اور ''آرڈر'' کا ایک ڈرامہ کھیلا جارہا ہے جسے ہم کامیڈی اور ٹریجڈی دونوں کہہ سکتے ہیں وہ تماشا کی طرح مضحک بھی ہے اور مقتل کی طرح دردانگیز بھی، لیکن میں ٹریجڈی کہنا زیادہ پسند کروں گا۔'' بابری مسجد کی تاریخ کا یہ ساتواں مرحلہ بھی ۳۰ر ستمبر ۲۰۱۰ء کو پورا ہو گیا۔ یعنی بابری مسجد، اور رام جنم استھان حق ملکیت کے مقدمہ کا فیصلہ ۶۰ر برس کے طویل اور صبر آزما انتظار کے بعد بالآخر الہ آباد ہائی کورٹ کی ایک بنچ نے سنا دیا۔ جس پر بی جے پی نے خوشی کا اور کانگریس نے اطمینان کا اظہار کیا ہے، بلکہ اس کے جنرل سکریٹری تو مدعی ہیں کہ اس مقدمہ کا اس سے بہتر فیصلہ ہو ہی نہیں سکتا۔ اس موقع پر محض اتفاق کہہ کر اس منکشف حقیقت کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا ہے کہ اس تنازعہ میں جتنے بھی اہم موڑ آئے، یا بالفاظ واضح بابری مسجد پر جو سانحہ بھی گزرا، اور اس تعلق سے قانون وانصاف، حق وعدل کا جب جب خون ہوا وہ سب ملک کی سب سے بڑی اور سیکولرزم کا سب سے زیادہ دم بھرنے والی پارٹی کانگریس ہی کے دور اقتدار میں ہوا ہے۔

مسلمان ابتداء ہی سے یہ کہتے چلے آرہے ہیں کہ ہمیں عدالت اور اس کے نظام قانون پر یقین واعتماد ہے، ملک کے ہر شہری کو ملک کی عدالت اور اس کے نظام قانون وانصاف پر اعتماد رکھنا ہی چاہئے، لیکن سنگھ پریوار ہمیشہ سے یہی کہتا رہا کہ یہ عقیدہ اور آستھا کا معاملہ ہے عدالت اس کے بارے میں فیصلہ کی مجاز نہیں ہے، لہٰذا عدالت جو چاہے فیصلہ کرے جنم استھان مندر ہم جہاں چاہتے ہیں وہیں بنے گا، مگر عدالت کا فیصلہ آجانے کے بعد اس کا یہ سُر مدھم پڑ گیا ہے۔ رہا معاملہ کانگریس پارٹی کا تو بقول دی سنڈے گارجین کے ایڈیٹر، اور انڈیا ٹوڈے کے ایڈیٹوریل ڈائرکٹر اے، جے اکبر کے ''اس تنازع کے بارے میں کانگریس کی پالیسی کا ایک ہی محور رہا ہے، اور وہ ہے مسلم ووٹوں کو کھوئے بغیر مندر کی تعمیر کس طرح کی جائے۔'' (سہارا نئی دہلی ۳ر اکتوبر ۲۰۱۰ء)

اپنی اس پالیسی کے تحت اس نے ایک طرف تو اطمینان کی سانس لی، اور دوسری طرف مختلف ذرائع سے اس کوشش میں لگ گئی کہ مسلمان اس فیصلہ کو قبول کرکے اس تنازع کو ختم کردیں، پھر اپنی اس سعی کو بظاہر لاحاصل دیکھ کر باہمی گفت وشنید اور مصالحت کا شوشہ چھوڑ دیا ہے۔ ''آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔''

فیصلہ آنے سے پہلے ہی ملک کے وزیر داخلہ نے میڈیا کے ذریعہ یہ ہدایت جاری کردی تھی کہ امن وسلامتی کی فضا کو بحال رکھنے کے لئے عدالت کے فیصلہ پر نقد وتبصرہ نہ کیا جائے، اور میڈیا کو بھی یہ حکم دیا تھا کہ فیصلہ سے متعلق جس قدر ہو سکے کم خبر دی جائے، چونکہ کوئی فیصلہ اسی وقت اطمینان بخش اور قابل قبول ہوتا ہے، جبکہ وہ قانون وانصاف اور حق وعدل کے معیار پر پورا اترتا ہو، اس لئے اس حکم زباں بندی کے باوجود، فیصلہ کے آتے ہی ملک کے دانشوروں، قانون دانوں، تاریخ کے ماہروں وغیرہ کا وہ طبقہ جو سیاست گزیدہ نہیں ہے بیک زبان پکار اٹھا کہ ملک کے نظام عدالت پر اعتماد کے باوجود اس حقیقت کا اعتراف کیا جانا چاہئے کہ سیاسی دخل اندازیوں نے قانون وانصاف کے گھٹنے توڑ کر اسے آستھا اور عقیدت کے سامنے جھکنے پر مجبور کردیا ہے۔ جبکہ بی جے پی کے انتہائی سینئر مقتدر لیڈر لال کرشن اڈوانی اس فیصلہ کی حمایت کرتے ہوئے یہ کہہ رہے ہیں کہ ''میری رائے میں یہ فیصلہ عقیدہ کو قانون سے بالاتر قرار نہیں دیتا بلکہ عقیدے کو قانونی جواز فراہم کرتا ہے۔''

آج اڈوانی جی شوق سے اس فیصلہ کی حمایت میں نکتہ آفرینیاں کریں، لیکن انھیں اور ان کے ہم خیالوں کو یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہئے کہ قانونی جواز سے لیس ہو کر کل کو جب یہ آستھا کا بھوت بوتل سے باہر نکلے گا تو پھر بدری ناتھ، پوری، تروینی، بندھاپور، امراوتی، تیر، جزولا، ایہول، انداولی، ایلورا سرنگیری وغیرہ کے مندروں کا کیا ہوگا؟ جو مؤرخین کی تحقیق اور بدھسٹ لاماؤں کے بقول، بودھ مت وبہاروں پر بزور قبضہ کرکے بنائے گئے ہیں۔ (دیکھئے مہاراشٹر کے مشہور مؤرخ جمنا داس کی کتاب ''تروینی مندر بودھوں کی عبادت گاہ تھی)

علاوہ ازیں خود اجودھیا کے بہت سارے مندر بھی اس کے آسیب سے کیا خود کو بچا پائیں گے؟ کیونکہ چین کا بدھسٹ عالم اور سیاح ہیون شیانگ جو راجہ ہرش (مشہور بنام راجہ سلاوت) کے عہد ۶۳۰ء میں ہندوستان کی سیاحت پر آیا تھا اور تقریباً پندرہ سولہ سال یہاں رہ کر ملک کے چپہ چپہ کی سیر کی تھی، جس کی مکمل تفصیل اس نے اپنے سفرنامہ میں درج کی ہے، اس کا یہ سفرنامہ ہندوستان کی قدیم تاریخ کے لئے ایک دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے، جس کا انگریزی، اردو وغیرہ بہت سی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے، وہ اپنے اس سفرنامہ میں قنوج کی سیاحت کی تفصیلات بیان کرنے کے بعد لکھتا ہے: ''میں یہاں سے اجودھیا کے لئے روانہ ہوا۔'' یہاں پہنچ کر اس نے جو کچھ دیکھا اس کا ذکر یوں کرتا ہے ''یہاں (اجودھیا میں) ایک سو عبادت گاہیں (وہار) اور کئی ہزار پجاری ہیں، میں نے اجودھیا میں بودھ مت کے قدامت پسند اور جدّت پسند دونوں فرقوں کی کتابوں کا مطالعہ کیا۔''

چینی سیاح کی یہ تحریر بتا رہی ہے کہ ساتویں صدی عیسوی میں اجودھیا کے اندر بدھوں کے ایک سو وہار تھے، لیکن جب بہار کے ایک عظیم برہمن رہنما کمارل اور ان کے بعد ان کے مشہور چیلہ شنکراچاریہ نے (جن کا زمانہ آٹھویں صدی کا آخر اور نویں صدی کا اوّل متعین کیا جاتا ہے) بودھ مت کے برخلاف شیومت کی پرزور تحریک برپا کی تو بدھسٹ اس کا مقابلہ نہیں کرسکے، جس کے نتیجہ میں ہندوستان میں پھیلے بدھوں کے بڑے بڑے وہار اور قدیم عبادت گاہیں یا تو مسمار کردی گئیں یا انھیں شیو مندر میں تبدیل کرلیا گیا، اسی دور میں اجودھیا کے یک صد وہار بھی شیو مندر بنا لئے گئے، پھر مشہور رہنما رامانند (پیدائش ۱۲۹۹ء) کی کوششوں سے جب شمالی ہندوستان میں شیومت کے مقابلہ میں وشنومت کو فروغ حاصل ہو گیا اور وشنو کے اوتار کی حیثیت سے ''رام جی'' کی پوجا عام ہو گئی تو ان شیو مندروں کو رام مندر کا نام دیدیا گیا، تو کیا اب ملک کے ان مشہور مندروں کو آستھا کی چرنوں پر بھینٹ چڑھایا جاسکتا ہے؟ یہ کوئی سمجھ بوجھ کی بات نہیں ہے کہ آدمی ضد، دشمنی اور موہوم مفاد کے تحت عقل وہوش سے بالکل عاری باتیں کرنے لگے، اس بات کو کون نہیں جانتا کہ متمدن دنیا آئین وقانون کی محتاج ہی اس لئے ہے کہ ایک ساتھ رہنے والوں کے درمیان جب خواہشات وجذبات، آستھاؤں اور عقیدتوں میں تنازع اور ٹکراؤ ہو تو اسے قانون وانصاف کے ذریعہ رفع دفع کیا جاسکے، لیکن جب قانون کے مقابلہ میں آستھا کو فوقیت دی جائے گی تو یہ تنازعہ لازمی طور پر ختم ہونے کی بجائے اور بڑھے گا تو کیا اس صورت میں ملک کی یکجہتی برقرار رہ پائے گی کیونکہ مہذب آدمی قانون وانصاف کے آگے سرنگوں ہوتا ہے نہ کہ فریق مخالف کی آستھاؤں کے سامنے چنانچہ مشہور کالم نگار صحافی سنتوش بھارتیہ لکھتے ہیں کہ ''اس فیصلے نے ایسے سوال کھڑے کئے ہیں جن کا حل نکلنا ضروری ہے، وگرنہ ملک میں ایک نئے فرقہ وارانہ دور کی شروعات ہوگی جماعتیں عقیدت کے نام پر مسجدوں، بودھ مٹھوں، اور جینیوں کے مندروں کے خلاف عدالت میں جائیں گی، اور الہ آباد کورٹ کے فیصلے کو نظیر کے طور پر پیش کریں گی۔'' (راشٹریہ سہارا، ۲ر اکتوبر ۲۰۱۰ء)

پھر ہمارا ملک مختلف تہذیبوں اور مذہبوں کا گہوارہ ہے، ہر تہذیب ومذہب کے پیروکاروں کی آستھائیں اور عقیدتیں الگ الگ ہیں لہٰذا سوال پیدا ہوگا کہ کس کی آستھا کو عدالتیں معیار بنائیں گی، اگر اس سوال کا جواب یہ ہے کہ الہ آباد ہائی کورٹ کے اس فیصلہ کے مطابق اکثریتی طبقہ کی آستھاؤں کو فیصلہ کا معیار بنایا جائے، تو اس صورت میں جمہوریت اور سیکولرزم سے ہاتھ دھونا پڑے گا، تو کیا ملک کی جمہوریت پر اس راست حملہ کو یہاں کے جمہوریت پسند، سیکولر نواز عوام خاموشی سے برداشت کرلیں گے؟ غرضیکہ اس فیصلہ نے ملک کو ایک ایسے دوراہے پر کھڑا کردیا ہے، جس میں ایک تو حق وانصاف اور امن وسلامتی کی سمت جارہا ہے اور دوسرا جبر وناانصافی اور انتشار وخلفشار کی طرف، اب تک کے احوال سے یہی ظاہر ہو رہا ہے کہ چند لوگوں کے علاوہ ملک کی اکثریت حق وانصاف اور امن وسلامتی کے راستہ ہی کو ترجیح دے رہی ہے اسی لئے ان چند افراد کے علاوہ سب کی زبان پر یہی ہے کہ ملک وقوم کی بھلائی اسی میں ہے کہ اس فیصلہ کو سپریم کورٹ میں چیلنج کیا جائے، کیونکہ ملک آستھاؤں اور عقیدوں کی بنیاد پر نہیں بلکہ قانون وانصاف ہی کے تحت چلے گا۔

علاوہ ازیں ہم اپنے دین ومذہب کی رو سے اس کے پابند ہیں کہ خدائے بصیر وقدیر کی جانب سے مقرر دینی شعائر کی عظمت وحرمت کے تحفظ وبقاء کی حسب استطاعت جدوجہد کرتے رہیں، لہٰذا آئین وقانون جب یہ موقع فراہم کررہے ہیں کہ ہم حق وانصاف کے حصول کے لئے ملک کی سب سے بڑی اور آخری عدالت کا دروازہ کھٹکھٹا سکتے ہیں، تو اس صورت میں ہمارے لئے روا نہیں ہوگا کہ الہ آباد ہائی کورٹ کے فیصلہ کو قبول کرکے برضاء ورغبت اپنے اس حق اور شرعی فریضہ سے دست بردار ہو جائیں، رہا معاملہ نتیجہ وانجام کا تو یہ ہمارے نہیں بلکہ مالک الملک اور رب العالمین کے قبضہ واختیار میں ہے، ہم تو اس کے بندے ہیں، ہماری بندگی کا تقاضا یہی ہے کہ اندیشہ نفع وضرر سے بے نیاز ہو کر اس کے حکم کے آگے گردن جھکا دیں۔

اگرچہ بت ہے زمانے کی آستینوں میں
ہمیں ہے حکم اذاں لا الہ الا اللہ

طب وسائنس

انڈا۔ ایک مقوی غذا

حکیم راحت نسیم سوہدروی

انڈا ایک بہترین اور مفید غذا ہے جو مقبول و معروف ہے۔ غذائی اہمیت کے اعتبار سے دودھ کے بعد اس کا نمبر ہے۔ انڈا ہر عمر اور ہر موسم میں استعمال کیا جاتا ہے۔ مقوی غذا ہونے کے ساتھ دماغ اور آنکھوں کو تقویت دیتا ہے۔ بیماری کے بعد ہونے والی کمزوری میں مفید ہے۔ لوگ اسے موسم سرما کی غذا خیال کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ موسم گرما میں بھی مفید ہے۔ انڈا پروٹین، فاسفورس اور کیلشیم سے بھرپور ہے۔

کیونکہ یہ فطری اور مقوی غذا کی حیثیت رکھتے ہیں جبکہ مصنوعی فارمنگ کے انڈے مقوی غذا کی حیثیت نہیں رکھتے بلکہ بہت سے امراض کا سبب بھی ہیں۔ جن میں جسم میں کولیسٹرول کی زیادتی شامل ہے۔ اس کے نتیجے میں بلڈ پریشر بڑھ جاتا ہے اور امراض قلب جنم لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اب ماہرین طب لوگوں کو زیادہ انڈے کھانے سے منع کرتے ہیں اور عوام میں بھی انڈے کھانے کے حوالے سے پہلے والا رجحان نہیں رہا۔ اگر انڈے کا استعمال ہو رہا ہے تو زیادہ رغبت سے نہیں ہے۔ دیسی انڈے میسر ہوں تو ان کی غذائی افادیت میں کسی کو شک نہیں ہے۔

انڈے کے فوائد اور خواص کے حوالے سے ہم نے جو ذکر کیا ہے وہ دیسی انڈا ہے۔ جو جسم کو مستعد، فعال اور چست رکھتا ہے اور غذائیت کے اعتبار سے بہترین ہے۔ بچوں کی نشو ونما کے لیے مفید ہے۔ امراض کے خلاف مدافعتی نظام کو مضبوط بناتا ہے۔ انڈے میں امائنو ایسڈز اور اومیگا 3 ہی نہیں بلکہ اہم حیاتین اور نمکیات موجود ہوتے ہیں۔ اس کے ساتھ ایسے اجزا بھی ہوتے ہیں جو جسم سے فاسد مادوں کے اخراج کا سبب بنتے ہیں۔ انڈے میں 18 قسم کے امائنو ایسڈز پائے جاتے ہیں۔ جو جسم کی نشو ونما کے لیے ضروری ہیں اور وہ خوراک کے دیگر اجزا کو بھی جزو بدن بناتے ہیں۔ امائنو ایسڈز دماغ اور جسم دونوں کی صحت کے لیے ناگزیر ہیں۔ جسم میں شکست وریخت کے عمل کو متوازن بناتے ہیں۔ ورنہ جسم میں کوئی بگاڑ (مرض) پیدا ہو سکتا ہے۔ ان قابل تحلیل مادوں کی مدد سے ہمارا جسم ہارمونز پیدا کرنے میں مدد لیتا ہے۔ ان ایسڈز کی مدد سے ہاضم رطوبات، مدافعتی نظام کو مضبوط بنانے والے خلیات پیدا ہوتے ہیں۔ جانداروں سے حاصل ہونے والی کوئی بھی دوسری خوراک اپنے اندر اتنے امائنو ایسڈز نہیں رکھتی جس قدر انڈے میں موجود ہوتے ہیں۔ انڈے میں موجود وٹامن ای کے باعث خون کے تھکے بننے کی نوبت نہیں آتی۔ انڈے صرف مردوں کے لیے ہی نہیں بلکہ خواتین کے لیے بھی اتنے ہی مفید ہیں۔ انڈے کی زردی میں کئی اقسام کی چکنائیاں، توانائی بخش اجزا اور جسم سے فاسد مادوں کو خارج کرنے والے اجزا ہوتے ہیں جبکہ سفیدی میں بھی البومین اور پیروٹینز ہوتے ہیں۔ زردی بصارت، دماغ کے لیے مفید ہے اور اس میں موجود ایک عنصر کولیسٹرول کو خون میں جذب ہونے میں مدد دیتا ہے۔ زردی قوت حافظہ بڑھاتی اور دماغی صلاحیتوں میں اضافہ کرتی ہے۔ دوران خون اور اعصابی نظام کو بہتر بناتی ہے۔ انڈے میں موجود حیاتین اس میں موجود دیگر اجزا کے ساتھ مل کر اس کی افادیت بڑھا دیتے ہیں۔ یوں انڈا جسم کے ہر حصے کے لیے مفید ہے۔ خون کے سرخ خلیے بڑھاتا اور کینسر سے بچاؤ میں مدد دیتا ہے۔ یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ انڈا ایک ایسی خوراک ہے جس کو بچپن میں ہی شروع کر دیا جائے اور تمام عمر جاری رکھا جا سکتا ہے۔ روزانہ ایک انڈا اور ایک گلاس دودھ کا شروع سے استعمال زندگی بھر کے لیے اچھی صحت رکھنے کے مترادف ہے۔

بو علی سینا کے نزدیک انڈا تقویت قلب کے لیے مفید ہے۔ انڈا اُبال کر یا سالن میں پکا کر کھایا جاتا ہے۔ ہمارے ہاں عوام کی اکثریت انڈے کو ناشتے کے اہم جزو کے طور پر لیتی ہے۔ انڈے کو کبھی آگ پر نہیں پکانا چاہیے اور نہ ہی زیادہ سخت پکانا چاہیے۔ زیادہ پکانے کی صورت میں انڈے میں موجود سفیدی اور زردی کے جوہر موثرہ زائل ہو جاتے ہیں۔ تیز آگ پر انڈے میں موجود پروٹین ضائع ہونے کا خدشہ ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے عام طور پر انڈے کو ہاف بوائل پکاتے ہیں تا کہ جوہر موثر زائل نہ ہوں۔ انڈے کو اُبال کر چھیل کر زردی سمیت کھایا جاتا ہے۔ بعض لوگ کچا انڈا ہی پی جاتے ہیں مگر مناسب طریقہ یہ ہے کہ انڈے کو پانی میں اتنی دیر تک اُبالا جائے کہ سفیدی پک جائے اور زردی پک جانے کے قریب ہو یعنی پورے طور پر نہ پکے۔

انڈے کی زردی میں کل انڈے کی دو تہائی چکنائی ہوتی ہے۔ انڈے کی سفیدی میں حیاتین ب اور پوٹاشیم ہوتے ہیں۔ لحمیات کی مقدار مکمل انڈے کا ایک تہائی ہوتی ہے۔ اس کے سوا انڈے میں کچھ نہیں ہوتا۔ لٰہذا جب انڈا کھائیں تو ادھورا نہیں بلکہ مکمل کھائیں تا کہ ساری غذائیت ایک ہی وقت مل جائے۔

حال ہی میں ہونے والی ایک تحقیق کے مطابق روزانہ انڈے کا استعمال مضر نہیں ہے بلکہ کئی امراض کی روک تھام میں معاون ہوتا ہے۔ اس حالیہ تحقیق کے مطابق روزانہ انڈے کے استعمال سے ذیابیطس کے مرض کے امکانات میں اضافہ نہیں ہوتا۔ تحقیق کرنے والوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ روزانہ انڈے کا استعمال کرنے والوں میں ذیابیطس دوم کے امکانات میں کوئی حقیقت نہیں ہے جبکہ روزانہ ایک انڈے کا ناشتے میں استعمال صحت کے لیے مفید ہے۔ ان محققین نے 3 ہزار 800 افراد کو روزانہ انڈوں کا باقاعدہ استعمال کرایا مگر ان میں ذیابیطس دوم کے کوئی امکانات ظاہر نہیں ہوئے ہیں۔ انڈے غذائیت سے بھرپور ہوتے ہیں۔ ان میں لحمیات کی اچھی مقدار ہوتی ہے اور پکانا بھی آسان ہے۔ نیز دوسری غذائیت بخش چیزوں کی نسبت سستا بھی ہے۔ یہ بات درست ہے کہ انڈے کی زردی میں چکنائی (Fat) ہوتی ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آپ زردی چھوڑ کر سفیدی کھانا شروع کر دیں بلکہ انڈا مکمل طور پر کھائیں۔ البتہ روزانہ انڈا استعمال کرنے والوں کو دن میں ایک بار سبزی پر مشتمل کھانا ضرور کھانا چاہیے۔ جسے برائے نام تیل میں پکایا گیا ہو۔ امریکن ہاٹ ایسوسی ایشن نے بھی اپنی تحقیق میں روزانہ انڈا کھانے کی ہدایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس کے ساتھ دن میں ایک کھانا صرف سبزیوں پر مشتمل ہونا چاہیے۔ البتہ انڈے میں موجود 120 ملی گرام کولیسٹرول ہوتا ہے اس لیے کولیسٹرول فری غذاؤں کے ساتھ استعمال کیا جائے۔

هفتۂ رفتہ

راشد العزیری ندوی

خانقاہ آنے کا مقصد دین پر عمل کا مزاج بنانا ہے: حضرت امیر شریعت مدظلہ

خانقاہ رحمانی میں سالانہ فاتحہ بحسن وخوبی اختتام پذیر

خانقاہ رحمانی مونگیر میں الحمدللہ سالانہ فاتحہ بحسن وخوبی اختتام پذیر ہو گیا، ملک کے کونے کونے سے خانقاہ رحمانی کے عقید تمند، جامعہ رحمانی کے تربیت یافتہ، بزرگوں سے تعلق رکھنے والے علم دوست حضرات بڑی تعداد میں تشریف لائے، شرکاء کی کثرت ایسی تھی کہ خانقاہ رحمانی اور جامعہ رحمانی کے احاطہ میں تل رکھنے کی جگہ باقی نہ تھی، آنے والوں نے تین دنوں تک قرآن خوانی، کلمہ خوانی، درود واستغفار وغیرہ اذکار کے ورد کا اہتمام کیا، ۱۱ر نومبر کو دن کے گیارہ بجے خانقاہ رحمانی مونگیر کے سجادہ نشیں شیخ طریقت مفکر اسلام امیر شریعت حضرت مولانا محمد ولی صاحب رحمانی نے دعاء کی، اس موقعہ پر سلسلہ رحمانیہ کے تمام بزرگوں خصوصاً قطب دوراں حضرت شاہ فضل رحماں گنج مرادآبادی، قطب عالم حضرت محمد علی مونگیری اور قطب زماں امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ رحمانی صاحب رحمہم اللہ کے لیے دعائیں کی گئیں، سجادہ نشیں مدظلہ العالی نے مسلمانوں کی صلاح وفلاح اور ملک کی امن وسلامتی کے لیے بھی دعائیں فرمائیں۔ اس موقعہ پر انہوں نے آنے والے مہمانوں سے فرمایا کہ آپ خانقاہ آتے ہیں، خانقاہ آنے کا مقصد ذہن میں رکھئے، خانقاہ کا کام گمراہی سے بچانا اور سیدھی راہ دکھانا ہے، اس لیے یہاں آکر دین سیکھنے کی کوشش کیجئے، تلاوت، ذکر درود وغیرہ کا مزاج بنایئے، خود بھی پابند بنئے، اور گھر جاکر گھر کے لوگوں کو بھی اس کا پابند بنایئے، انہوں نے کہا کہ بچوں کو ضرور تعلیم دلایئے، مگر پہلے اسے دینی تعلیم دیجئے، اس کی دینی تربیت کیجئے، اور اتنا پختہ بنایئے کہ وہ اسکول کالج اور یونیورسٹیوں میں جاکر بھی اپنے عقیدہ اور دین وشریعت پر قائم رہ سکیں، بچوں سے بے وجہ لاڈ وپیار اور اسے آزاد چھوڑنا بڑے نقصان کا سبب ہے، اس لیے اس پر ادب کا ڈنڈا ہمیشہ اٹھائے رکھئے، اور اس کا مزاج دیندار بنایئے، حضرت رحمانی نے کہا کہ جہالت خطرناک تو ہے ہی، اسے علم سمجھ کر پھیلانا نہایت خطرناک ہے، آپ اپنی محدود معلومات کی بنیاد پر خود عالم سمجھ کر ہرگز فتوی دینے کا کام نہ کیجئے، اگر نہیں معلوم ہے، عالم سے پوچھ لیجئے، تب عمل کیجئے، ورنہ بڑا خسارہ ہوگا، شیخ طریقت نے کہا کہ زندگی وقت کا مجموعہ ہے، اس لیے آپ کی زندگی کامیاب تب ہی ہوگی جب آپ وقت کو صحیح کاموں میں لگائیں گے، ہمارا بڑا وقت خوش گپیوں اور ہوٹل بازیوں میں گذر جاتا ہے، ہمیں ان وقتوں کو کام میں لانا چاہئے، اور ذکر و ورد وغیرہ میں گذارنا چاہئے، ہم سے قیامت میں وقت سے متعلق پوچھا جائے گا، وقت کا یہی مجموعہ زندگی ہے۔

آر ٹی آئی کے دائرے میں آئے گا سی جے آئی دفتر: سپریم کورٹ

ملک کے چیف جسٹس کا دفتر اب حق اطلاعات قانون (آر ٹی آئی) کے دائرے میں آئے گا۔ حالانکہ پرائیویسی اور رازداری کا حق برقرار رہے گا۔ سپریم کورٹ کی پانچ ججوں پر مشتمل آئینی بینچ نے بدھ کو یہ فیصلہ دیا۔ دلی ہائی کورٹ کے فیصلہ کو چیلنج دینے والی عرضیوں پر سماعت کرتے ہوئے بینچ نے کہا کہ سپریم کورٹ اور چیف جسٹس کا دفتر آر ٹی آئی کے دائرے میں کچھ شرطوں کے ساتھ آئے گا۔ عدالت عظمٰی نے آئین کے آرٹیکل 124 کے تحت یہ فیصلہ دیا ہے۔ اس فیصلے کے بعد اب کولیجیم کے فیصلوں کو سپریم کورٹ کی ویب سائٹ پر ڈالا جائے گا۔ فیصلہ پڑھتے ہوئے جسٹس رمنا نے کہا کہ آر ٹی آئی کا استعمال جاسوسی کے طور پر نہیں کیا جا سکتا ہے۔ دراصل چیف انفارمیشن کمشنر نے اپنے حکم میں کہا تھا کہ سپریم کورٹ کا دفتر آر ٹی آئی کے دائرے میں ہو گا۔ اس فیصلے کو دلی ہائی کورٹ نے بھی صحیح ٹھہرایا تھا۔ ہائی کورٹ کے فیصلے کو سپریم کورٹ رجسٹری نے 2010 میں چیلنج کیا تھا۔ تب سپریم کورٹ نے ہائی کورٹ کے حکم پر اسٹے کر دیا تھا۔ پھر اس معاملہ کو آئینی بینچ کے حوالے کر دیا گیا۔ اس بینچ کے دیگر ارکان جسٹس این وی رمن، جسٹس ڈی وائی چندر چوڑ، جسٹس دیپک گپتا اور جسٹس سنجیو کھنہ ہیں۔ (تاثیر ۱۳ر نومبر)

انٹر امتحان 2019-21 سیشن کیلئے رجسٹریشن کا شیڈول جاری

بہار اسکول اکزامنیشن بورڈ نے انٹر امتحان 2019-21 کیلئے گیارھویں میں پڑھ رہے طلبا کا رجسٹریشن کرنے اور فیس جمع کرنے کیلئے شیڈول جاری کر دیا ہے۔ جس کے مطابق اس سیشن میں شامل طلبا کا رجسٹریشن اور مقررہ فیس 13 سے 30 نومبر تک منظور کیا جائے گا۔ رجسٹریشن فارم بورڈ کے ویب سائٹ seniore secondary.biharboard online.com پر اپلوڈ ہے۔ جس کا پرنٹ آوٹ نکال کر اسکول ہیڈ گیارھویں کلاس میں پڑھ رہے طلبا کو دو کاپی میں مہیا کرائیں گے اور ایک کاپی حتمی سطح پر رکھیں گے۔ اس کا کالج ریکارڈ سے ملا کر اس بات کو یقینی بنائیں گے کہ سبھی اطلاعات ریکارڈ کے مطابق ہے۔ انہوں نے بتایا کہ ریگولر طلبا کو بطور فیس 370 روپئے اور پرائیویٹ طلبا کیلئے 670، دیگر منظور شدہ بورڈ سے دسویں پاس ریگولر زمرے کے طلبا کیلئے 520 اور دیگر منظور شدہ بورڈ سے دسویں پاس طلبا کیلئے 820 روپئے دینا ہوگا۔ (تاثیر ۱۲ر نومبر)

صفحہ اول کا بقیہ

جناب نجم الحسن نجمی صاحب نے کہا کہ مولانا آزاد نے ہندوستان کے پسماندہ طبقوں کے قدموں کو جمانے کی پوری جد و جہد کی ، مگر مستقبل سے بے پرواہ کچھ لوگوں نے سنی ان سنی کر دی اگر مولانا کی ہدایت پر عمل کیا جاتا تو یہاں مسلمان تعلیم وتہذیب کے میدان میں بہت آگے ہوتے ،مولانا سہیل احمد ندوی نائب ناظم امارت شرعیہ نے کہا کہ ہندوستان کی تحریک آزادی کی تاریخ مولانا آزاد کے تذکرے کے بغیر ادھوری سمجھی جائے گی ،انہوں نے تحریک آزادی میں جوقربانیاں دیں وہ تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔مولانا کا فکرامارت سے بڑا گہرا تعلق تھا،اور انہیں روابط کی بنیاد پران کی ملاقات مولانا سجادؒ سے ہوئی اور قیام امارت پر تبادلہ خیال ہوا۔مولانا احمد حسین قاسمی معاون ناظم نے کہا کہ مولانا آزاد کی فکر میں آفاقیت تھی ،اس لیے وہ آزادی کی تمام جہتوں کے علم بردار تھے اور اسکے لیے انہوں نے اپنی تمام صلاحیتوں اور توانائیوں کوقربان کر دیا تھا۔اس موقع پر امیر شریعت مولانا محمد ولی رحمانی صاحب کی تحریر''امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد: کئی دماغوں کا ایک انسان''اورنسیمہ خاتون ریسرچ اسکالر رانچی یونیورسٹی کی تحریر کردہ کتاب''مولانا آزاد ،قومیت اور مذہبی منافرت'' کا رسم اجراء بھی اکابر علماء و دانشوران کے ہاتھوں ہوا۔اس اجلاس کی نظامت مولانا مفتی وصی احمد قاسمی نائب قاضی امارت شرعیہ نے بہت خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دی ، انہوں نے تمہیدی کلمات میں مولانا ابو الکلام آزاد کی حیات وخدمات اورکارناموں پر سیر حاصل گفتگو کی اور مندوبین کا تعارف بھی کرایا،مولانا ابوشحمہ صاحب کی تلاوت کلام پاک سے کانفرنس کا آغاز ہوا،مولانا مشہود عالم صاحب نے بارگاہ رسالت میں گلہائے عقیدت پیش کیا، جب کہ مولانا شمیم اکرم رحمانی صاحب نے مولانا آزاد پر رضا کوثری کی نظم پیش کی۔قاضی عبدالجلیل قاسمی قاضی شریعت امارت شرعیہ کی دعا پر اجلاس اختتام پذیر ہوا، اجلاس کی تیاری کے کنوینر مولانا سہیل اختر صاحب نے اجلاس کو کامیاب بنانے کے لیے مختلف جہت سے کوششیں کیں ، ان کے ساتھ ،مولانا انظار عالم قاسمی ،مولانا ارشد رحمانی ،مولانا مفتی سعیدالرحمٰن قاسمی ، جناب سمیع الحق صاحب ،مولانا سید محمد عادل فریدی ،مولانا مفتی احتکام الحق قاسمی ،مولانا مرسل صاحب ، مولانا منہاج عالم ندوی ، مولانا احمد صاحب سجادی ، مولانا مطیع الرحمٰن صاحب ، مولانا مفتی امتیاز صاحب ،مولانا مجیب الرحمٰن صاحب ،مولانا ساجد رحمانی ،مولانا راشدالعزیری ندوی اور دیگر کارکنان امارت شرعیہ بھی شریک کار رہے ، اس اجلاس میں جناب جاوید اقبال ایڈووکیٹ ،کوثر خان ، مرزا نصیر احمد بیگ ، حاجی سلام الحق ، انوارالہدیٰ ، عتیق احمد ، شیث احمد ، جناب شمائل احمد صاحب صدر پرائیوٹ اسکول ایسوسی ایشن بہار ، جناب نجیب الرحمٰن ململی لکھنؤ کے علاوہ شہر پٹنہ اور اسکے اطراف کے ممتاز علماء کرام عمائدین قوم وملت اور اصحاب فکر ونظر نے شرکت کی۔

مولانا آزادؒ کے اقوال

☆''پہلے دور کے مسلمانوں کی حق گوئی کا یہ حال تھا کہ دارالخلافت کی ایک بڑھیا عورت خلیفۂ وقت سے برسر عام کہہ سکتی تھی کہ اگر تم انصاف نہ کرو گے تو تکلے کی طرح تمہارے بل نکال دیں گے ، لیکن وہ مقدمۂ بغاوت چلانے کی جگہ خدا کا شکر ادا کرتا کہ قوم میں ایسی راست باز زبانیں موجود ہیں۔''

☆ تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی حکمراں طاقتوں نے آزادی اور حق کے مقابلے میں ہتھیار اٹھائے ہیں تو عدالت گاہوں نے سب سے زیادہ آسان اور بے خطا ہتھیار کا کام دیا ہے۔عدالت کا اختیار ایک طاقت ہے اور وہ انصاف اور ناانصافی دونوں کے لیے استعمال کی جاسکتی ہے۔منصف گورنمنٹ کے ہاتھ میں عدل اور حق کا سب سے بہتر ذریعہ ہے۔لیکن جابر اور مستبد حکومتوں کے لیے اس سے بڑھ کر انتقام اور ناانصافی کا کوئی آلہ بھی نہیں ،تاریخ عالم کی سب سے بڑی ناانصافیاں میدان جنگ کے بعد عدالت کے ایوانوں میں ہی ہوئی ہیں۔

اعــــلان مفقــود الخبــــری

معاملہ نمبر ۲۸/۱۲۱۳/۱۴۴۱ھ

(متدائرہ دارالقضاء امارت شرعیہ ارریہ)

اجمیرن بنت الیاس مقام وپوسٹ بانس باڑی نمبر ۷ تھانہ وضلع ارریہ۔فریق اول

بنام

محمد خالق ولد سلیم مرحوم مقام وپوسٹ بانس باڑی وارڈ نمبر ۷ تھانہ وضلع ارریہ۔فریق دوم

اطلاع بنام فریق دوم

معاملہ ہذا میں فریق اول اجمیرن بنت الیاس نے آپ فریق دوم محمد خالق ولد سلیم مرحوم کے خلاف دارالقضاء امارت شرعیہ گاچھی ٹولہ نزد جامع مسجد شہر ارریہ میں عرصہ دوسال سے غائب ولا پتہ ہونے اور نان ونفقہ ودیگر حقوق زوجیت ادانہ کرنے کی بنیاد پر فسخ نکاح کا دعویٰ دائر کیا ہے۔لہذا اس اعلان کے ذریعہ آپ کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ آپ جہاں کہیں بھی ہوں اپنی موجودگی کی اطلاع مرکزی دارالقضاء امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ کو دیں اور مورخہ ۲۶/ربیع الآخر ۴۱ھ مطابق ۲۴/دسمبر ۱۹ء بروز منگل مرکزی دارالقضاء امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ میں خود مع گواہان بوقت ۹/بجے دن حاضر ہوکر رفع الزام کریں۔واضح رہے کہ تاریخ مذکور پر حاضر نہ ہونے یا پیروی نہ کرنے کی صورت میں معاملہ ہذا کا تصفیہ کیا جاسکتا ہے۔فقط۔قاضی شریعت۔

معاملہ نمبر ۳۴/۱۷۷/۱۴۴۰ھ

(متدائرہ دارالقضاء امارت شرعیہ چمپانگر بھاگلپور)

بی بی جہانہ خاتون بنت محمد عبداللہ انصاری مقام دھوبنی ڈاکخانہ بھرنا ضلع بانکا۔فریق اول

بنام

محمد معراج انصاری ولد محمد عابد انصاری مقام دھوبنی ڈاکخانہ بھرنا ضلع بانکا۔فریق دوم

اطلاع بنام فریق دوم

معاملہ ہذا میں فریق اول نے آپ کے خلاف ایک سال سے غائب ولا پتہ ہونے اور نان ونفقہ وحقوق زوجیت ادانہ کرنے کی بنیاد پر دارالقضاء امارت شرعیہ چمپانگر بھاگلپور میں فسخ نکاح کا معاملہ دائر کیا ہے،لہذا اس اعلان کے ذریعہ آپ کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ آپ جہاں کہیں بھی ہوں آئندہ تاریخ سماعت ۱۶/ربیع الآخر ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۴/دسمبر ۲۰۱۹ء بروز سنیچر خود مع گواہان وثبوت بوقت ۹/بجے دن مرکزی دارالقضاء امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ میں حاضر ہوکر رفع الزام کریں۔واضح رہے کہ تاریخ مذکور پر حاضر نہ ہونے اور پیروی نہ کرنے کی صورت میں معاملہ کا تصفیہ کیا جاسکتا ہے۔فقط۔قاضی شریعت۔

معاملہ نمبر ۴/۱۴۲۶/۱۴۴۱ھ

(متدائرہ دارالقضاء امارت شرعیہ گواپوکھر مدھوبنی)

روبی خاتون بنت محمد الیاس مقام کھرہر درزی محلہ ڈاکخانہ کھرہر ضلع مدھوبنی ۔فریق اول

بنام

محمد اقبال ولد محمد گلاب مرحوم مقام سگھنیا چوک ڈاکخانہ بھوارہ ضلع مدھوبنی۔فریق دوم

اطلاع بنام فریق دوم

معاملہ ہذا میں فریق اول نے آپ کے خلاف دارالقضاء گواپوکھر مدھوبنی میں عرصہ ایک سال سے غائب ولا پتہ ہونے اور نان ونفقہ ادانہ کرنے کی بناء پر فسخ نکاح کا معاملہ دائر کیا ہے لہذا اس اعلان کے ذریعہ آپ کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ آپ جہاں کہیں بھی ہوں آئندہ تاریخ سماعت ۱۷/ربیع الآخر ۴۱ھ مطابق ۱۵/دسمبر ۱۹ء روز اتوار کو مرکزی دارالقضاء امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ میں حاضر ہوکر رفع الزام کریں،واضح رہے کہ تاریخ مذکور پر حاضر نہ ہونے اور پیروی نہ کرنے کی صورت میں معاملہ ہذا کا تصفیہ کیا جاسکتا ہے۔فقط۔قاضی شریعت۔

معاملہ نمبر ۵۶/۶۷۳/۱۴۴۰ھ

(متدائرہ دارالقضاء امارت شرعیہ بہار شریف نالندہ)

حنا پروین بنت محمد ظفر عالم مقام محلّہ شیر پور چوک جمن ڈاکخانہ بہار شریف ضلع نالندہ۔فریق اول

بنام

محمد عقیل عالم ولد محمد خورشید مرحوم مقام وڈاکخانہ کوسی ضلع نوادہ۔فریق دوم

اطلاع بنام فریق دوم

معاملہ ہذا میں فریق اول نے آپ کے خلاف پانچ سالوں سے غائب ولا پتہ ہونے اور نان ونفقہ وحقوق زوجیت ادانہ کرنے کی بنیاد پر دارالقضاء امارت شرعیہ بہار شریف میں فسخ نکاح کا معاملہ درج کیا ہے،لہذا اس اعلان کے ذریعہ آپ کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ آپ جہاں کہیں بھی ہوں آئندہ تاریخ سماعت ۱۹/ربیع الآخر ۴۱ھ مطابق ۱۷/دسمبر ۱۹ء بروز منگل خود مع گواہان وثبوت بوقت ۹/بجے دن مرکزی دارالقضاء امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ میں حاضر ہوکر رفع الزام کریں، واضح رہے کہ تاریخ مذکور پر حاضر نہ ہونے یا کوئی پیروی نہ کرنے کی صورت میں معاملہ کا تصفیہ کیا جاسکتا ہے۔فقط۔قاضی شریعت۔

معاملہ نمبر ۲/۲۱۳/۱۴۴۱ھ

(متدائرہ دارالقضاء امارت شرعیہ نوادہ)

مسرت پروین بنت محمد علاء الدین انصاری مقام محلّہ امن باغ،ڈاکخانہ وتھانہ پکری برانواں ضلع نوادہ۔فریق اول

بنام

محمد جسیم الدین ولد محمد سلیم الدین انصاری مقام وڈاکخانہ بڑی گلٹی تھانہ پکری برانواں ضلع نوادہ۔فریق دوم

اطلاع بنام فریق دوم

معاملہ ہذا میں فریق اول نے آپ کے خلاف دارالقضاء نوادہ میں عرصہ ۱۱/ماہ سے غائب ولا پتہ ہونے ، نان ونفقہ، وظیفہ زوجیت ، نیز جملہ حقوق شوہری ادانہ کرنے کی بناء پر فسخ نکاح کا دعویٰ دائر کیا ہے،اس اعلان کے ذریعہ آپ کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ آئندہ تاریخ سماعت ۱۷/ربیع الآخر ۴۱ھ مطابق ۱۵/دسمبر ۱۹ء روز اتوار کو خود مع گواہان وثبوت بوقت ۹/بجے دن مرکزی دارالقضاء امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ میں حاضر ہوکر رفع الزام کریں۔واضح رہے کہ تاریخ مذکورہ پر عدم حاضری وعدم پیروی کی صورت میں معاملہ کا تصفیہ کیا جاسکتا ہے۔فقط۔قاضی شریعت

نقیب کے خریداروں سے گذارش

اگر اس O دائرہ میں سرخ نشان ہے،تو اس کا مطلب ہے کہ آپ کی خریداری کی مدت ختم ہوگئی ہے۔براہ کرم فوراً آئندہ کے لیے سالانہ زر تعاون ارسال فرمائیں،اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں ،موبائیل یا فون نمبر اور پتے کے ساتھ پن کوڈ بھی لکھیں۔مندرجہ ذیل اکاؤنٹ نمبر پر ڈائرکٹ بھی سالانہ یا ششماہی زرتعاون اور بقایہ جات بھیج سکتے ہیں،رقم بھیج کر درج ذیل موبائل نمبر پر خبر کردیں۔

A/C Name: THE NAQUEEB, A/C No: 10331726168
Bank: SBI, Branch J.C. Road, Patna, IFSC Code: SBIN0001233
Mobile: 9576507798

نقیب کے شائقین کے لئے خوشخبری ہے کہ اب نقیب مندرجہ ذیل سوشل میڈیا اکاؤنٹس پر آن لائن بھی دستیاب ہے۔

Facebook Page: http//@imaratshariah
Telegram Channel: https://t.me/imaratshariah

اس کے علاوہ امارت شرعیہ کے آفیشل ویب سائٹ www.imaratshariah.com پر بھی لاگ ان کر کے نقیب سے استفادہ کر سکتے ہیں۔مزید مفید دینی معلومات اور امارت شرعیہ سے متعلق تازہ خبریں جاننے کے لئے امارت شرعیہ کے ٹویٹر اکاؤنٹ @imaratshariah کو فالو کریں۔

(مینیجر نقیب)

ملی سر گرمیاں

مولانا مفتی محمد سہراب ندوی

بیگوسرائے میں امارت شرعیہ کا ۹/نو روزہ دعوتی واصلاحی دورہ اختتام پذیر

مورخہ ۳۱/اکتوبر ۲۰۱۹ء روز جمعرات سے ۸/نومبر ۲۰۱۹ء روز جمعہ تک علمائے امارت شرعیہ کا ایک موقر وفد حسب ہدایت مفکر اسلام حضرت مولانا سید محمد ولی رحمانی صاحب دامت برکاتہم امیر شریعت بہار، اڈیشہ و جھارکھنڈ، سجادہ نشیں خانقاہ رحمانی مونگیر و جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، ضلع بیگوسرائے کے قصبات ودیہات کے دعوتی واصلاحی دورہ پر تھا، اس موقر وفد کی قیادت نائب ناظم امارت شرعیہ وسکریٹری دار العلوم الاسلامیہ مولانا سہیل احمد ندوی فرمارہے تھے۔ ۹/ایام میں کل ۱۲/مواضعات ومقامات پر دعوتی واصلاحی پروگرام ہوئے جن کے نام درج ذیل ہیں:

(۱) چلمل (۲) رجوڑہ (۳) کاری چک (۴) لڑوارہ (۵) ذکریٰ مسجد برونی (۶) نور پور جامع مسجد (۷) جامع مسجد بھولی (۸) پپرور جامع مسجد (۹) سید پور (۱۰) جامع مسجد گودر گانواں (۱۱) جامع مسجد لال پور (۱۲) قصبہ (۱۳) جامع مسجد پوکھریا بلیا (۱۴) حسن پور باگر (۱۵) جامع مسجد اکھا (۱۶) چک حمید (۱۷) جامع مسجد پران پور (۱۸) جامع مسجد پپڑا (۱۹) جامع مسجد بنہرہ (۲۰) جامع مسجد تکیہ (۲۱) ہادی پور امام گنج قادر آباد

شرکائے وفد میں قائد وفد مولانا سہیل احمد ندوی کے علاوہ مولانا مفتی محمد یحیٰ غنی قاسمی مہتمم دار العلوم الاسلامیہ، مولانا مفتی شکیل احمد قاسمی نائب شیخ الحدیث دار العلوم الاسلامیہ، مولانا مفتی عبید اللہ قاسمی استاذ حدیث وتفسیر دار العلوم الاسلامیہ، مولانا قاضی ارشد صاحب قاسمی قاضی شریعت دار القضاء امارت شرعیہ گوگری کھگڑیا، مولانا قاضی محمد ارشد قاسمی قاضی شریعت دار القضاء امارت شرعیہ پورنیہ، مولانا عبد العظیم حیدری قاضی شریعت دار القضاء امارت شرعیہ بیگوسرائے، مولانا محمد صابر نظامی سکریٹری جمعیۃ علماء بیگوسرائے، مولانا مفتی طارق اعظم صاحب استاذ دار العلوم الاسلامیہ، مولانا مفتی خالد حسین صاحب قاسمی سابق صدر المدرسین دار العلوم الاسلامیہ، مولانا نور عالم صاحب رحمانی مبلغ امارت شرعیہ مولانا محمد رفعت عثمانی صاحب نمائندہ امارت شرعیہ بیگوسرائے وغیرہم کے نام شامل ہیں۔

وفد کے ارکان نے ان ایام میں حسب ہدایت امیر شریعت دین وشریعت کے آئینے میں امارت شرعیہ کی ضرورت واہمیت، کلمہ واحدہ کی بنیاد پر اتحاد امت، ملی بیداری اور دینی غیرت وحمیت اور موجودہ حالات میں امت کو درپیش مسائل کے حل سے متعلق موضوات تفصیل سے خطاب کیا جس کا قدرے اقتباس قارئین نقیب کے لیے پیش خدمت ہے۔

لوگو! امارت شرعیہ صرف چاند کے اعلان کا نام نہیں ہے، بلکہ آج سے سو سال قبل ابو المحاسن حضرت مولانا محمد سجاد رحمۃ اللہ علیہ کی فکر اور کڑھن کی ترجمان ہے۔ ان کی یہ فکر تھی کہ پورے ہندوستان کے مسلمان ایک امیر شریعت کی ماتحتی میں جینے والے بن جائیں، بالآخران کی کوشش بار آور ہوئی اور قضا وقدر کے مطابق صوبہ بہار میں امارت شرعیہ کی بنیاد ڈالی گئی، اور جوں جوں وقت بڑھتا گیا اس کے شعبہ جات بھی بڑھتے گئے۔ امیر شریعت کی نگرانی میں تنظیم کے ساتھ جینے کا نام امارت شرعیہ ہے۔ اس کی خدمات سو سال کے ضخیم صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں .... یہ وقت بڑا ہی نازک ہے جن حالات سے امت مسلمہ گذر رہی ہے، نہایت تشویش ناک ہیں، ان دنوں جہاں ہم لوگ اپنے کاغذات کی درستگی کی فکر میں ہیں وہیں ہمیں اس بات کی بھی فکر کرنی ہے کہ اللہ کے رجسٹر میں ہمارا نام مسلمانوں کی فہرست میں ہو۔ حالیہ دنوں میں ووٹر کارڈ وغیرہ کی درستگی کی ایک مہم چھڑی ہوئی ہے۔ آپ حضرات اس کو ہلکے انداز میں نہ لیجئے، فوری طور پر اس جانب متوجہ ہو کر ضروری کارروائیوں سے فراغت پالیجئے وقت کم ہے کام بہت ہے۔ ملک جن مسائل سے دو چار ہے، ان نازک حالات میں حضرت امیر شریعت مدظلہ العالی کا یہ پیغام ہم سب کے نام ہے کہ روزانہ صبح سویرے "لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم" پانچ سو دفعہ اور "استغفر اللہ ربی من کل ذنب واتوب الیہ" ایک سو دفعہ کا ورد اپنے اوراد ووظائف میں شامل کرلیں۔ کاشتکار حضرات اپنی زمینوں کا عشر یعنی دسواں اور بیسواں حصہ پابندی سے نکالنے کو لازم سمجھیں اور جو حضرات تجارت سے جڑے ہیں وہ مال کی زکوٰۃ سو فیصدی طور پر نکالنے کو یقینی بنائیں۔ ورنہ یہ مال باعث وبال ہوگا۔

تجارت میں صداقت وامانت کا پورا پورا خیال رکھیں۔ کیوں کہ سچا اور امانت دار تاجر جنت میں نبیوں، صدیقوں، شہداء اور صالحین کی صف میں ہوگا۔ جو لوگ خدا کو بھلائے ہوئے ہیں خود خدا نے ان کی ذات کو بھلا دیا ہے۔ ایسے لوگ انسان تو کیا حیوان بلکہ ان سے بھی گئے گذرے قرار دیے گئے ہیں۔ خدا سے اپنا رشتہ مضبوط رکھیں، نمازوں کا اہتمام زندگی کا لازمہ سمجھیں، اس سے رزق میں برکت ہوتی ہے، الجھنیں بھی دور ہوتی ہیں اور سب سے بڑی بات یہ کہ خدا کا تقرب حاصل ہوتا ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت پابندی سے کریں، اس سے حافظہ قوی رہتا ہے، اور انسان سوء حافظہ کی بیماری میں مبتلا نہیں ہوتا، مخلوق خدا سے محبت خدا کی محبوبیت کا سبب ہے۔

مدارس اسلامیہ دین کے قلعے ہیں، ان کی حفاظت خود اپنی حفاظت ہے، دینی کام کرنے والوں کا ساتھ دیں، ان کا ہاتھ بٹائیں، کوئی ان کی ٹانگ کھینچے تو ان کو نرمی اور محبت سے سمجھائیں۔ یہ مبارک مہینہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کا مہینہ ہے، اس ماہ میں سیرت کے عنوان سے لوگوں کو پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی سے روشناس کرانا، بھٹکے ہوئے لوگوں کو راہ پر لانا، اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک عمل کو اسوہ بنانا، خود تکلیفیں سہہ کر دوسروں کو آرام پہونچانا، جیسے عنوان پر مذاکروں کی ضرورت ہے۔ دعوت وتبلیغ ہو یا خانقاہی نظام سب کے سب آپس میں رفیق ہیں، کوئی کسی کا فریق نہیں۔

اتحاد ملت کے بغیر دنیا کے کسی ترازو میں ہمارا کوئی وزن نہیں ہوسکتا، ہر طرح کی تفریق کو مٹائیں، یہ بات ہر وقت ذہن میں رکھنے کی ہے کہ حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کی ادائیگی کے بغیر آخرت میں نجات مشکل ہوجائے گی۔ عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت کی سفارش خود اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے۔ اور یہ حکم دیا ہے کہ "ان کے ساتھ اچھی طرح گذر بسر کرو" (سورۃ النساء: ۱۹) اس لیے اس سلسلہ میں نرم روی اختیار کریں۔

عورتیں کمزور ضرور ہیں مگران کو پیدا کرنے والا اللہ کمزور نہیں ہے۔ بلا وجہ طلاق دینے والے خدا کے ناپسندیدہ اور مبغوض بندے ہیں، خدا کی عدالت میں انہیں جوابدہی سے گذرنا ہوگا۔ اپنی بیویوں کو خدا کی بندیاں سمجھ کر درگذر کرتے رہیں اور یہ سوچ لیا کریں کہ ایسی ایسی غلطیاں تو نہ جانے میں روزانہ کتنی دفعہ اپنے مالک اور پروردگار کی جناب میں کرتا رہتا ہوں اگر وہ میری پکڑ فرمالے تو میرا کیا بنے گا؟ نشہ کی لت اور عادت شریفوں کی علامت نہیں بن سکتی ہے، آج کل سود اور جھوٹ کا بازار گرم ہے، جو ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے، ماضی میں محض اسی بنا پر کتنے بینک بند ہوچکے ہیں، سود خوروں کو چالیس سال بعد زبردست جھٹکوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ آپسی معاملات کے تصفیے کے لیے دار القضاء کا خوبصورت نظام موجود ہے اس کی طرف رجوع کرنا مسائل کا بہترین حل ہے۔ سادگی سے شادی بیاہ کے رواج کو عام کریں۔ کیوں کہ جہیز اور تلک کی لعنت سے معاشرہ کو نکالے بغیر معاشرہ کی ترقی ناممکن بلکہ خام خیالی ہے۔

بابری مسجد سے متعلق سپریم کورٹ کے فیصلہ پر سابق جج نے اٹھائے بڑے سوال

ایودھیا معاملہ میں سپریم کورٹ کی طرف سے متنازع زمین ہندووں کو دئے جانے اور مسجد کے لئے ایودھیا میں ہی کہیں اور زمین دئے جانے کے فیصلہ اپنے ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے سپریم کورٹ کے سابق جج "لینڈ مارک جج منٹس دیٹ چینجڈ انڈیا" (Land Mark Judgments that changed India) کے مصنف ویسٹ بنگال ہیومن رائٹس کمیشن کے سابق چیرمین مشہور زمانہ ٹو جی اسپیکٹرم کیس کا فیصلہ سنانے والے جسٹس اشوک کمار گنگولی نے "بی بی سی ہندی" کو دیے گئے ایک انٹرویو میں کہا ہے کہ جس طرح کا فیصلہ سپریم کورٹ کی جانب سے دیا گیا ہے، اس نے شکوک وشبہات پیدا کردیے ہیں، اگر فیصلے اس طرح ہوا کریں گے تو ملک میں بے شمار ایسے مذہبی مقامات ہیں جنہیں توڑنا پڑے گا۔ پھر تو نہ جانے کتنے مندر مسجد اور چرچ توڑنے پڑیں گے۔

جسٹس گنگولی نے کہا: "اس فیصلے کے بعد ایک مسلمان کیا سوچے گا؟ وہاں برسوں سے ایک مسجد تھی جسے منہدم کردیا گیا۔ اب سپریم کورٹ نے وہاں ایک مندر بنانے کی اجازت دے دی ہے۔ یہ اجازت اس بنیاد پر دی گئی کہ یہ زمین رام للا کے ساتھ منسلک ہے۔ صدیوں پہلے زمین پر کس کا مالکانہ حق تھا، اس کا فیصلہ کیا سپریم کورٹ کرے گی؟ کیا سپریم کورٹ یہ بھول جائے گی کہ جب آئین وجود میں آیا تو وہاں پر مسجد موجود تھی؟ آئین میں دفعات موجود ہیں اور اس کی حفاظت کرنا سپریم کورٹ کی ذمہ داری ہے۔

یہ فیصلہ کرنا سپریم کورٹ کی ذمہ داری نہیں ہے کہ آئین کے وجود میں آنے سے پہلے وہاں کیا موجود تھا۔ ہندوستان میں اس وقت جمہوریت نہیں تھی۔ اس وقت وہاں ایک مسجد تھی، ایک مندر تھا، بدھ استوپ تھا، ایک چرچ تھا؛ اگر ہم اس پر فیصلہ کرنے بیٹھیں گے تو بہت سے مندروں، مسجدوں اور دیگر عمارتوں کو توڑنا پڑے گا۔ ہم "افسانوی حقائق" کی بنیاد پر آگے نہیں بڑھ سکتے۔

اقلیتوں نے نسلوں سے دیکھا ہے کہ وہاں ایک مسجد تھی، مسجد کو توڑ دیا گیا، سپریم کورٹ کے فیصلے کے مطابق وہاں ایک مندر تعمیر ہوگا۔ اس فیصلے نے میرے ذہن میں شکوک وشبہات پیدا کردئے ہیں۔ آئین کے طالب علم کی حیثیت سے مجھے اس فیصلہ کو قبول کرنے میں دقت محسوس ہورہی ہے۔

ہندوستان ٹائمز کے مطابق سپریم کورٹ کے سابق چیف جسٹس آف انڈیا گنگولی نے بات کرتے ہوئے کہا۔ "میں فیصلے سے تھوڑا سا پریشان ہوں، جب آئین آیا تو ہم نے ایک مسجد دیکھی اور انہدام سے متعلق سپریم کورٹ کے پچھلے فیصلے میں یہ ریکارڈ کیا گیا ہے کہ یہاں ۵۰۰/سال پرانی عبادت گاہ تھی جسے مسمار کردیا گیا۔ جب آئین آیا، قانون مختلف ہوگیا۔ ہم نے مذہب کی آزادی کے بنیادی حق کو تسلیم کیا۔ عمل کریں، تبلیغ کریں اور مذہب کا دعوی کریں۔ اگر مجھے یہ بنیادی حق حاصل ہے تو مجھے بھی مذہبی جگہوں کی حفاظت کا حق ہے، جس دن اس ڈھانچے کو مسمار کیا گیا تھا اس دن یہ حق بھی مسمار کردیا گیا تھا۔

جسٹس گنگولی نے اپنے بیان میں سپریم کورٹ کے ججوں پر سوال کھڑا کیا ہے کہ آخر ججوں نے اپنے فیصلے کی بنیاد پر کیا ثبوت پیش کیا کہ یہ زمین رام للا کی ہے؟ آپ نے کہا ہے کہ مسجد کے نیچے ایک ڈھانچہ تھا لیکن آپ نے یہ نہیں کہا کہ یہ ساخت کسی ہیکل کی تھی، اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ ایک مندر کے انہدام کے بعد، ایک مسجد تعمیر ہوئی ہے۔ گنگولی، جو مغربی بنگال ہیومن رائٹس کمیشن کے سابق چیئر پرسن بھی ہیں، نے کہا کہ آثار قدیمہ کی بصیرت کی بنیاد پر کیا عدالت پانچ سو سال بعد فیصلہ کرسکتی ہے۔

انہوں نے نشاندہی کرتے ہوئے کہا کہ سپریم کورٹ نے قبول کیا ہے کہ اگر کسی جگہ پر نماز پڑھی جاتی ہے تو پھر اسے مسجد سمجھنا ہوگا۔

تو اس پر ایک ایسی مسجد کو غور کریں، جو پانچ سو سالوں سے وہاں کھڑی ہے، پانچ سو سال بعد آپ اس ٹائٹل سوٹ کا فیصلہ کیسے کریں گے؟ آپ کس بنیاد پر کرسکتے ہیں؟ عدالت میں دونوں فریقوں نے اپنے دستاویزات پیش کیے ہیں تو پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ان دستاویزات کے بجائے آثار قدیمہ کی رپورٹ کی بنیاد پر فیصلہ کیا جائے؟ جبکہ ان کے پاس حق ملکیت کے باضابطہ دستاویزات ہیں، تو آثار قدیمہ کی رپورٹ کی بنیاد پر آپ ٹائٹل سوٹ کا فیصلہ نہیں کرسکتے ہیں۔

Volume:59/69,Issue:44 Printed & Published by Sohail Ahmad Nadwi, on behalf of Imarat Shariah Phulwari Sharif, Patna, Printed at Azimabad Printers, R.C.F./105, Ground Floor, B.H. Colony, Bhootnath Road, Kankarbagh, Patna-800026 and Published from Naqueeb Office Imarat Shariah, Phulwari Sharif, Patna-801505, Editior: (Mufti) Mohammad Sanaul Hoda (Quasmi)

LEADING URDU JOURNAL OF IMARAT-E-SHARIAH
BIHAR ORISSA JHARKHAND
NAQUEEB WEEKLY
PHULWARI SHARIF,PATNA 801505
SSPOS PATNA Regd.No.PT 14-6-18-20
R.N.I.N.Delhi,Regd No-4136/61

محتسب سچ سچ بتا خلوت میں کیا سودا ہوا
مدعی انصاف سے محروم کیسے ہوگیا
(قاسم جلال)

ہر حتمی فیصلہ ضروری نہیں کہ صحیح اور منصفانہ ہو

ایڈووکیٹ ایم آر شمشاد (بحوالہ ہندوستان ٹائمز ۱۰؍نومبر ۲۰۱۹ء)

ایودھیا میں رام جنم بھومی بابری مسجد شہری تنازعہ پر ہندوستان کی عدالت عظمیٰ کے فیصلے نے ۱۴۸۰؍مربع گز رقبے پر تنازعہ کو حتمی شکل دے دی ہے۔ زمین کا یہ چھوٹا سا رقبہ جہاں بابری مسجد کسی زمانے میں وجود میں آئی تھی، خیال کیا جاتا ہے کہ یہ لارڈ رام کی جائے پیدائش ہے۔ اس حتمی شکل کا احترام کرنا ہوگا، قانون کی حکمرانی کے تحت چلنے والے ایک معاشرے کی یہی طاقت اور یہی اس کا تقاضا ہے، اس عظیم ملک کے تمام رہنے والے لوگ یقیناً اس میں مسلمان بھی شامل ہیں، اس کے پابند ہیں، ہندوستانی مسلمانوں کے اجتماعی جذبات کو چاہئے کہ قانون کی حکمرانی کو ہرگز اپنے ہاتھ میں نہ لیں۔ تاہم ہر حتمی فیصلہ ضروری نہیں ہے کہ صحیح اور منصفانہ ہو، عدل و انصاف کے منافی ہونے کی صورت میں عدالت کے نتائج پر تنقید کی جاسکتی ہے۔ معزز عدالت نے دعووں کو قبول کیا ہے کہ بابری مسجد میں ۱۹۴۹ء تک نماز پڑھی جارہی تھی، ۱۹۴۹ء میں مسجد کے اندر بت رکھے گئے تھے۔ ۱۹۹۲ء میں ۴۶۴؍سال سے قائم اس مسجد کا انہدام عمل میں آیا، جو قانون کی حکمرانی؛ عقیدہ/ یقین کی سراسر خلاف ورزی تھی، اور آثار قدیمہ کے ثبوت ملکیت کا فیصلہ کرنے کی بنیاد نہیں ہو سکتے ہیں؛ پیدائش کی جگہ یعنی جنم استھان قانونی مرجع نہیں ہے، ان حقائق سے متفق ہونے کے بعد عدالت کو یہ فیصلہ نہیں کرنا چاہئے تھا کہ وہ ۱۴۸۰؍مربع گز کو مندر کے حوالہ کردے۔

چونکہ معزز عدالت کے سامنے تنازعہ ۱۴۸۰؍مربع گز تک محدود تھا، عدالت کے پاس مسجد کے لیے پانچ ایکڑ اراضی دینے کا کوئی موقع نہیں تھا۔ ۱۹۸۶ء میں ہندو فریق نے مسجد کے بدلے ۱۰؍ایکڑ اراضی اور ۵؍کروڑ روپئے کی پیش کش کی تھی، یہ پیش کش ابھی تک قائم رہی، ثالثوں کی طرف سے اس تنازعہ کے حل کے لیے ایک اور پیش کش پانچ ایکڑ اراضی کی تھی کہ وہ کہیں بھی لے لیں، جسے مسلم فریق نے مسترد کردیا تھا۔ میری رائے ہے کہ فیصلے کی حتمی حیثیت کو تسلیم کرتے ہوئے مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ معزز عدالت کی جانب سے عطا کردہ پانچ ایکڑ زمین کو مسترد کردے۔

عدلیہ کے حتمی فیصلے (کی آخری مہر) نے ایک مخصوص ایمان اور عقیدے کو تسلیم کیا ہے، اور ایسا کرتے ہوئے، لارڈ رام کو تاریخی حیثیت دینے کی اجازت دی ہے۔ ایک سادہ سا قانونی مسئلہ عدالت میں زیر التوا ہے، ۱۹۸۹ء میں ایک تازہ مقدمہ درج کر کے سیاسی مفادات کے تحت اقتدار حاصل کیا گیا۔ اس کے بعد پورا معاملہ وشو ہندو پریشد اور اس کے لوگوں کے کہنے پر سیاسی ہو گیا۔ آخر کار ملک کی سیاست عدالتی فیصلوں کی شکل میں غالب رہی، پہلے ہائی کورٹ اور آخر سپریم کورٹ کے فیصلوں میں۔

عدالت عظمیٰ کی غیر معمولی طاقت کو استعمال کرکے ملکیت پر آستھا غالب آگئی، اس معاملہ میں عدالت عظمیٰ کا فرض یہ تھا کہ مسجد کے ساتھ ہونے والی ناانصافی کے ازالہ کو یقینی بناتی اور قانون کی حکمرانی کو بھی یقینی بناتی اور زمین دے کر خیر خواہی نہ کی جاتی، جس کا مسلمانوں نے مطالبہ نہیں کیا تھا۔ ثالثی میں شروع میں ہی میں نے شری شری روی شنکر کو ایل ڈی ثالث ہونے کی وجہ سے تحریری طور پر اعتراض کیا تھا، اس لیے کہ اس تعلق سے ان کا معروف خیال یہ تھا کہ اس مسئلہ کا حل اسی وقت ممکن ہے جب مسلم فریق اس جگہ سے دستبردار ہوجائیں۔ مذکورہ اعتراض کا تذکرہ ۱۳؍مارچ ۲۰۱۹ء کو منعقدہ پہلی میٹنگ میں ہوا تھا۔ ایل ڈی۔ ثالثی پینل نے ہمیں ان کی غیر جانبداری کی یقین دہانی کرائی۔ یہاں تک کہ شری شری نے ذاتی طور پر مجھے یقین دلایا کہ ماضی میں ان کے ذاتی خیالات کا اظہار ان کی غیر جانبداری کو متاثر نہیں کرے گا۔ اس طرح ہم نے اس اعتراض پر مزید دباؤ نہیں ڈالا۔

ثالثی کی پہلی نجی کارروائی میں تمام مسلم فریقین بشمول چیرمین یوپی سنی مرکزی وقف بورڈ، ایک تجویز کی درخواست کی تعمیل میں زمین کے ایک حصے کے اپنے دعویٰ سے تحریری طور پر ایک بڑے مفاد کی خاطر دست بردار ہوگئے۔ ثالثی کے پہل دور کے اختتام تک ہم پینل سے یہ پوچھتے رہے کہ آیا مقابلہ کرنے والی دیگر جماعتوں نے کوئی قرارداد یا پلان پیش کیا ہے یا نہیں، جواب ہمیشہ منفی تھا۔

مجھے صرف اتنا بتایا گیا کہ وہ چاہتے تھے کہ مسلمان پوری متنازعہ زمین کو چھوڑ دیں، ایک موقع پر میں نے پینل سے پوچھا کہ باہمی تعاون کے معاملہ میں کیا دوسرا فریق اس بات سے متفق ہے کہ مسجد کو بھی تعمیر کرنے کی ضرورت ہے؟ اگر ایسا ہے تو پھر کہاں؟ اس پینل کا جواب تھا کہ ہمارے فریق اس جگہ کو چھوڑنے پر راضی ہوجائیں اور اس طرح کے طریق کار پر بعد میں کام کیا جائے گا۔

میں سات مواقع پر پینل کے سامنے حاضر ہوا، کبھی کبھی اس معاملہ میں مسلم فریقوں کے ساتھ اور دو بار خود نئی دہلی میں۔

ملک میں عمومی طور پر معاشرے کو درپیش عمومی مسائل کے بارے میں پینل کے پوچھنے پر میں نے ان کے سامنے مختلف امور کا خلاصہ پیش کیا جس میں یہ بھی شامل تھا کہ مرکزی حکومت اور ہندوستان کے آثار قدیمہ کے سروے نے سالہا سال تک مسلمانوں کے مختلف مذہبی مقامات جیسے مساجد اور مقبروں کو کس طرح اپنے تسلط میں لے لیا تھا، اور ان مقامات پر نماز پڑھنے سے منع کر دیا تھا۔ میں نے یہ بھی بتایا کہ ریاست نے نہ تو ایودھیا میں غیر متنازعہ مساجد کی تزئین و آرائش کی اجازت دی ہے، اور نہ ہی اس میں نماز ادا کرنے کی اجازت دی، بعد میں مجھے بتایا گیا کہ ایک شخص نے اپنے انفرادی اجلاس میں ان مسائل کو اٹھایا ہے۔ میں نے انہیں یہ بھی بتایا کہ عبادت کے مقامات (خصوصی دفعات) ایکٹ ۱۹۹۱ء کی دفعات کے باوجود بہت سی مساجد میں قانونی چارہ جوئی اب بھی زیر التوا ہے۔ اس قانون کے باوجود بظاہر اکثریت کی سیاسی مرضی خود قانون کے خلاف ہے، جس میں مسلمانوں کے مختلف مذہبی مقامات کو نشانہ بنایا گیا ہے۔ اس کے بعد پینل نے ایک تصفیہ کی تجویز پیش کی، جس میں ان امور کے کچھ جوابات شامل تھے، میں نے ان کا حوالہ ملک میں موجود صورت حال کو ظاہر کرنے کے لیے دیا تھا نہ کہ زمین کے حوالے کرنے کے معاوضے کے طور پر۔ پچھلی دو ملاقاتوں میں ہندوستان کی آثار قدیمہ کی سروے والی مساجد اور عبادت گاہوں کو مضبوط بنانے کا معاملہ (خصوصی دفعات) ایکٹ ۱۹۹۱ء، ایودھیا میں کہیں اور مسجد تعمیر کرنے کے علاوہ انفرادی مسلم پارٹیوں کے سامنے بطور جوابی کارروائی کے رکھا گیا تھا۔ مجھے نئی دہلی کے اجلاس میں پینل نے اس تعلق سے ایک مسودہ دکھایا تھا، تجویز کے مسودے کو سمجھنے کے بعد میں نے استفسار کیا کہ کیا جوابی کارروائی کے معاملہ کو انتظامیہ/حکومت کی طرف سے منظوری حاصل ہے؟ جواب منفی تھا، میرے خیال میں ثالثی پینل کا نقطۂ نظر ایک غلط بنیاد پر تھا، پہلی بات تو یہ کہ ان کی سوچ تھی کہ اگر مسلمان زمین کے اس حصے پر اپنے دعوے سے دست بردار ہو جاتے ہیں تو اس سے دیگر امور بھی حل ہوجائیں گے، جن کا سامنا مسلم برادری کو ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ مسلم فریقوں کے ساتھ کسی بھی طرح کی باتیں بابری مسجد کی زمین سے دستبردار ہوجانے کے دعوے سے مشروط تھیں۔ آخری بات یہ تھی کہ کیا قانون کی حکمرانی کو شکست ہوئی ہے؟ اور ایک مذہب کو غلبہ حاصل ہوا ہے اور آستھا غالب آگئی ہے۔

(مضمون نگار سپریم کورٹ آف انڈیا میں اقبال انصاری کے ایڈووکیٹ آن ریکارڈ ہیں، اظہار کیے گئے خیالات ان کے ذاتی ہیں)

سپریم کورٹ کا احترام باقی رہے اس لیے فیصلہ کو قبول کرنا چاہیے: حضرت امیر شریعت

امیر شریعت بہار اڈیشہ وجھارکھنڈ مفکر اسلام حضرت مولانا محمد ولی رحمانی صاحب دامت برکاتہم سجادہ نشیں خانقاہ رحمانی مونگیر وجنرل سکریٹری مسلم پرسنل لا بورڈ نے بابری مسجد۔رام جنم بھومی تنازعہ پر سپریم کورٹ کے فیصلہ سے متعلق اپنے ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے اپنے ایک اخباری بیان میں فرمایا ہے کہ بابری مسجد کیس کے سلسلہ میں سپریم کورٹ کا جو فیصلہ آیا ہے، وہ پورے ملک کے سامنے ہے، چونکہ سپریم کورٹ نے یہ فیصلہ دیا ہے اور وہ ہمارے ملک کی سب سے معزز عدالت ہے، اس لیے ہم اس فیصلہ کو مان رہے ہیں، لیکن ہمیں اس بات پر سخت افسوس ہے کہ سپریم کورٹ نے اپنے فیصلہ کی بنیاد اے ایس آئی (آثار قدیمہ) کی رپورٹ پر رکھی ہے، حالانکہ آثار قدیمہ کے ماہرین کا ماننا ہے کہ آثار قدیمہ کی رپورٹ اندازے پر مشتمل ہوتی ہے، اس سے یقینی طور پر کوئی چیز ثابت نہیں کی جاسکتی، جب آثار قدیمہ کے ماہرین کا یہ ماننا ہے تو پھر آثار قدیمہ کی رپورٹ کو بنیاد بنا کر ایسے اہم کیس میں فیصلہ دینا سخت افسوسناک ہے۔ سپریم کورٹ نے اپنے حالیہ فیصلے میں یہ بنیادی غلطی بھی کی ہے کہ اس کا یہ کہنا ہے کہ بابری مسجد میں جمعہ نماز بھی ہوتی تھی اور پوجا بھی کی جاتی تھی، حالانکہ یہ بات جھوٹ اور غلط بیانی پر مبنی ہے، بابری مسجد میں ۱۹۴۹ء سے پہلے کبھی بھی پوجا نہیں ہوتی رہی ہے، البتہ سیتا رسوئی والا جو حصہ مسجد کے باہر تھا، اور جہاں ہندوؤں اور مسلمانوں کے حصہ کو الگ الگ کرنے کے لیے عدالت نے لوہے کی جالی لگوا دی تھی، وہاں سیتا رسوئی پر پوجا ہوتی تھی۔ ایسی غلط بات کو تسلیم کر لینا بھی انصاف کے تقاضوں کے خلاف ہے، اس حقیقت سے بھی لوگ واقف ہیں کہ ۱۹۸۹ء سے پہلے خود ہندو فریق نے بھی کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ مسجد کے بیچ کے گنبد کے نیچے ہی رام جی کی جائے پیدائش ہے۔ سخت افسوس ہے کہ اس تاریخی پس منظر اور زمین کے مالکانہ حق کے باوجود ۱۹۴۹ء میں مسجد میں مورتی رکھی گئی اور رام جنم بھومی کے نام پر انتشار کو ہوا دی گئی، یہاں تک کہ ۱۹۹۲ء میں مسجد شہید کر دی گئی، یہ بات بھی کیسی تعجب انگیز ہے کہ یہ کیس ٹائٹل سوٹ کا تھا، یعنی کورٹ کو یہ طے کرنا تھا کہ زمین کس کی ہے؟ سپریم کورٹ نے متنازعہ جگہ مندر کے لیے دینے کی بات تو کی ہے، لیکن اب تک کی ملنے والی تفصیلات کے مطابق یہ واضح نہیں کیا ہے اس زمین کی اصل ملکیت کس کی تھی اور ہے!

سپریم کورٹ کے حالیہ فیصلے پر ہمارا صاف صاف یہ کہنا ہے کہ ملک کی سالمیت اور سپریم کورٹ کے احترام میں اس فیصلے کو قبول کرنا چاہئے، مگر اس فیصلے سے انصاف کے تقاضے پورے نہیں ہوئے، اور سپریم کورٹ کے پورے احترام کے ساتھ ہمارا یہ کہنا ہے کہ ہم اس فیصلے کو خلاف حقیقت سمجھتے ہیں، سپریم کورٹ کا یہ فیصلہ سخت تکلیف دہ ہے، اس فیصلے کے بعد ملک میں یہ فضا نہیں بنی چاہئے کہ کوئی فریق جیتا ہے اور کوئی ہارا ہے، گورنمنٹ کی ذمہ داری ہے کہ وہ ملک میں امن وامان کو قائم رکھے اور صرف مسلمانوں سے امن کی اپیل کرنے کے بجائے ملک کے تمام باشندوں کو امن وامان کی بحالی اور بدامنی سے بچنے کا پابند بنائے۔